کلیات شیفتہ و حسرتی

جس میں

دیوان ریختہ و دیوان فارسی و رقعات فارسی شامل ہیں

از تصنیفات جناب غفران مآب نواب عظیم الدولہ سرفراز الملک
محمد مصطفیٰ خان صاحب مظفر جنگ دہلوی متخلص بہ حسرتی و شیفتہ

مع دیباچہ و سوانح عمری مصنف

از خاکسار نظامی بدایونی

حسب فرمایش جناب نواب حاجی محمد اسحاق خان صاحب بہادر جج
ممالک متحدہ آنریری سکریٹری ایم اے او کالج علیگڑھ تعلقہ دار
جہانگیر آباد ضلع بلند شہر خلف الصدق حضرت مصنف علیہ الرحمہ

باہتمام نظام الدین حسین نظامی پروپرائٹر و پرنٹر

نظامی پریس بدایوں میں طبع ہوا

سنہ ۱۹۱۶ء

فیض حسن برقم

حضرت شیفتہ کے مختصر حالات

بسم اللہ الرحمن الرحیم
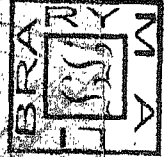
جس طرح زمانے کی ہوا پلٹ جانے سے ملک کے لوگوں کے خیالات خصائل، عادات، مشاغل، طرزِ بود و ماند، لباس و خوراک میں تغیر واقع ہو گیا ہے اسی طرح ان کا علمی مذاق بھی بدل گیا ہے تیرھویں صدی کے وسط میں اُردو اور فارسی ادب میں جن لوگوں نے چار چاند لگائے تھے آج اُن کے کلام کے سمجھنے والے بھی نظر نہیں آتے ذوقؔ، غالبؔ، مومنؔ، صہبائیؔ، علویؔ، آزردہؔ، حسرتیؔ اُن باکمال لوگوں میں ہوئے ہیں کہ جن پر آج ہندوستان جسقدر فخر کرے کم ہے اور اب اس گئے گزرے زمانہ میں ان بزرگوں کا نام زندہ رکھنے والے حالیؔ اور شبلیؔ باقی تھے وہ بھی ایک ایک کرکے دنیا سے اُٹھ گئے۔ لیکن بغور دیکھا جائے تو یہی وہ لوگ ہیں جن کو حیات جاوید حاصل ہے؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعلم ✦ ثبت است بر جریدۂ عالم دوام شاں

؎ ایک موقع پر خواجہ حافظ کے اس شعر کو سید مرحوم نے کچھ تصرف کے ساتھ لکھا تھا ہم نے بھی انھیں کا تتبع کیا۔ ۱۲ ص

اُن کا کلام جو اعلیٰ اخلاق اور سچّے جذبات سے پُر ہے جس سے ان کے دل و دماغ کے صحیح ہونے کا پتا چلتا ہے اور اُن کی بلند نظری اور غوص و فکر وغیرہ کی حالت کا اندازہ ہوتا ہے اس وقت بھی ملک کے لیے ویسا ہی سرمایہ افتخار ہے جیسا کہ آج سے پچاس ساٹھ برس قبل تھا۔ اس مختصر تمہید کے بعد جو دیوان آپ کی نظر سے گزرے گا وہ جناب غفراں مآب نواب محمد مصطفیٰ خاں صاحب مرحوم و مغفور رئیس دہلی و تعلقہ دار جہانگیر آباد ضلع بلندشہر (المتخلص بہ شیفتہ بہ اُردو و حسرتی بہ فارسی) کا کلیات ہے جس کی اشاعت کا فخر ہمیں نواب صاحب مرحوم کے خلف الرشید عالی جناب نواب حاجی محمد اسحاق خاں صاحب ریٹائرڈ جج صوبہ متحدہ و آنریری سکرٹری ایم اے، او کالج علی گڑھ کی کرم گستری و اجازت سے حاصل ہوا ہے۔ چونکہ کسی شاعر کے کلام کے مطالعہ سے قبل اُس کی زندگی کے حالات سے واقفیت حاصل کرنا ایک حد تک ضروری ہے اس لیے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ نواب صاحب مرحوم و مغفور کے حالات زندگی اس موقع پر مختصراً درج کریں۔

خاندان نواب محمد مصطفیٰ خاں مرحوم نواب عظیم الدولہ سرفراز الملک نواب مرتضیٰ خاں صاحب بہادر مظفر جنگ کے فرزند تھے۔ اور نواب ولی داد خاں

مرحوم خاندان بنگش سے تھے جبکہ دہلی میں خاندان بنگش کا عروج تھا وہ کوہاٹ سے دہلی تشریف لائے اور اپنے صاحبزادہ نواب مرتضےٰ خاں صاحب کی شادی اُس زمانہ کے مشہور سپہ سالار اسمٰعیل بیگ خاں ہمدانی کی صاحبزادی نواب اکبری بیگم صاحبہ سے کی۔ اور جو فوج مرہٹوں سے اُس وقت برسرِ پیکار تھی اُس میں عہدہ دار ہوئے۔

سنہ ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک نے دہلی میں انگریزی سلطنت کی بنیاد قائم کی۔ اُس وقت نواب مرتضیٰ خاں صاحب کو لارڈ موصوف نے دہلی کے قریب ہوڈل پلول کا علاقہ بطور جاگیر عطا کیا۔ اس دور میں جو سات رئیس با اختیار بنائے گئے تھے منجملہ اُن کے نواب مرتضیٰ خاں صاحب بھی تھے۔

سنہ ۱۸۱۴ء میں نواب ممدوح نے جہانگیر آباد کا علاقہ جو پہلے راجہ کھودس رائے کی ملکیت تھا اور بعلّت عدم ادائے مالگذاری نیلام ہوا خرید لیا اور گورنمنٹ سے سند تعلقہ داری عطا ہوئی۔ نواب صاحب کی رحلت کے بعد ہوڈل پلول کے علاقہ کو گورنمنٹ نے واپس لے لیا اور اُس کے عوض میں اراکین خاندان کی پنشن مقرر کردی جو غدر سنہ ۱۸۵۷ء تک جاری رہی۔

نواب مرتضیٰ خاں صاحب نے جہانگیر آباد کا علاقہ اپنی حیات میں صاحبزادہ

مصطفیٰ خاں کے نام منتقل کر دیا تھا جو اُن کے بعد اُن کی اولاد کی ملکیت میں آیا اور اس وقت تک قائم و برقرار ہے۔

ولادت نواب محمد مصطفیٰ خاں صاحب کی ولادت ۱۸۰۶ء میں بمقام دہلی ہوئی۔

تعلیم و تربیت میاں جی[۵۱] مالا مال سے جو دہلی کے ایک مشہور بزرگ اور سربر آوردہ معلّمین میں تھے فارسی، عربی پڑھی اور علوم مروجہ حاصل کیے۔
حضرت مولانا حاجی محمد نور دہلوی[۵۲] نقشبندی سے بھی جو جامع علوم ظاہر و باطن تھے خاصکر فن حدیث و تجوید میں اُس وقت اُن کا کوئی ہمسر نہ تھا آپ نے حدیث و قرارت کا استفادہ حاصل کیا۔ علوم دین سے آپ کو ایسا شوق و شغف تھا کہ طلب کی تشنگی کسی وقت فرو نہ ہوتی تھی۔
۱۲۵۵ھ میں جب کہ آپ کو حرمین شریفین کی زیارت نصیب ہوئی مکہ معظمہ

---

۵۱ میاں جی صاحب کا مزار دہلی میں حضرت سلطان الاولیا رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ میں نواب صاحب کے سرہانے ایک چھوٹے چبوترہ پر واقع ہے۔

۵۲ حاجی محمد نور صاحب کا مزار سورت میں ہی جب آپ دوبارہ بارادہ حج جا رہے تھے راستہ میں بمقام سورت شعبان ۱۲۵۲ھ میں وصال ہوا۔

کے فاضل اجل عالم باعمل حضرت شیخ عبداللہ سراج حنفی سے آپ نے صحاح کے ابتدائی حصے تبرکاً پڑھے تھے جبتک مکہ معظمہ میں قیام رہا آپ برابر اُن سے فیض حاصل کرتے رہے۔ مدینہ منورہ میں شیخ محمد عابد صاحب سندھی سے اکثر حدیث کی کتابوں کے خاص خاص مقامات پڑھے اور روایت کرنے کی اجازت حاصل کی۔ ان کے علاوہ مولوی کرم اللہ[1] صاحب محدث علیہ الرحمہ سے جو خلیفہ حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی قدس سرہ کے تھے آپ نے کچھ علوم پڑھے تھے۔

عادات وخصائل وطریق ماندوبود

نواب صاحب[2] مرحوم رات کو باختلاف موسم دو بجے سے ۳ بجے تک تہجد کے واسطے بیدار ہوتے تھے اور نماز تہجد اور صبح کے درمیان مسنون قیلولہ کے بعد صبح کی نماز مسجد میں جاکر سفر ہو یا حضر اول جماعت کے ساتھ ادا کرتے تھے اور اکثر مسجد سے واپس آکر اشراق تک وظائف واذکار ختم کرتے

---

[1] از ذکر السعیدین فی سیرۃ الوالدین مصنفہ حضرت مولانا شاہ محمد معصوم صاحب مجددی مقیم مدینہ شریف ۱۲

[2] یہ حالات ہمیں مولانا فرحی صاحب مقیم رامپور سے دستیاب ہوئے اوائل ستمبر ۱۹۱۵ء میں اُن سے ملاقات کا فخر حاصل ہوا تھا مولانا موصوف کو ۱۲۶۱ھ سے ۱۲۶۹ھ تک نواب صاحب کی خدمت میں مسلسل رہنے کا اتفاق ہوا تھا ۱۲

کے بعد متعلقین سے ملتے تھے دس بجے کھانا تناول فرما کر قدرے قیلولہ فرماتے تھے
اسی کے بعد ظہر سے پہلے پہلے حدیث شریف یا تصوف یا سیر کی کسی کتاب کا
مطالعہ بھی فرما لیتے تھے۔ اول وقت ظہر کی نماز مسجد میں جا کر جماعت ادب
کے ساتھ پڑھتے تھے اسی طرح عصر اور مغرب کی نمازیں اول وقت ادا فرماتے تھے۔
عشا کی نماز کے بعد رات کا کھانا تناول کر کے بلا فصل استراحت فرماتے تھے
بیماری کی حالت میں جبکہ راتوں کو نیند کم آتی تھی دیگر امرا کی طرح داستان یا
قصّے نہیں سنتے تھے بلکہ کسی کتاب سے حمد و نعت مناجات یا منقبت اہل بیت
پڑھوا کر سنتے اور سو جاتے۔

عصر اور مغرب کے درمیان مصاحبین وا کابر مہمانوں سے جو آپ کی مہمان نوازی
کے سبب اکثر موجود رہتے تھے صحبت رہتی تھی۔ مصاحبت میں مولانا حالی مرحوم
جیسے لوگ ہم صحبت تھے۔ نواب مرحوم اسقدر کم گو تھے کہ ابتدا ہر ملاقات میں
نئے آدمی کو خود داری کا گمان ہوتا تھا لیکن اُن کے جلسہ میں کسی ادنٰے یا اعلےٰ
کی غیبت کا گزر نہ تھا اُن کی صحبت متین اور مہذّب ظرافت اور لطیفوں سے
خالی نہ تھی یعنی زہد خشک سے جو ریا کے درجہ تک پہنچتا ہے بری تھی دینی
و دنیوی جو بات تھی بناوٹ اور تصنّع سے کوسوں دور تھی۔

نواب صاحب کا اصول تھا کہ تمام خطوط کا جواب فوراً دیا جائے چنانچہ جو خطوط
آپ کے پاس آتے تھے اُن کا جواب ہر روزہ لکھوا دیتے تھے جس زبان
میں خطوط آتے تھے اُسی زبان میں جواب لکھواتے فارسی خطوط کا جواب
فارسی میں اُردو خطوط کا اُردو میں جواب دیتے تھے۔ آپ اپنے پیش دست
کو عبارت خطوط کی خود نہیں لکھواتے تھے بلکہ وہ خط لکھکر پیش کرتا آپ
اس کی اصلاح فرما دیتے تھے اصلاح کے بعد خطوط صاف کیے جاتے تھے۔
ایک زمانہ تک خطوط نویسی کا کام نواب صاحب اپنے بڑے صاحبزادہ نواب
محمد علی خاں صاحب سے لیتے رہے جس سے صرف اُنکی تربیت و تعلیم
مقصود تھی مولانا فرخی صاحب نے بھی جب مولانا موصوف جہانگیرآباد میں طالب علمی
کے زمانہ میں موجود تھے نواب صاحب کی ان خدمت کو انجام دیا ہے۔
مولانائے موصوف فرماتے تھے کہ "نواب صاحب مرحوم ہمارے لکھے
ہوئے خطوط کی اصلاح میں محاورات زبان اور املا کا بے حد خیال فرماتے
تھے یہاں تک کہ اگر کبھی میں لفظ "تم نے" کو ملا کر تمنے لکھدیتا تو اُس کو
کاٹ کر "تم نے" لکھدیتے" گویا آپ ہر لفظ کو علٰحدہ علٰحدہ لکھنے کے حامی
تھے اور اُردو املا کے اس رسم خط کی ضرورت کو جسے آج کے مصلحان اُردو رائج

کرنا چاہتے ہیں آپ آج سے پچاس برس پہلے محسوس کر چکے تھے۔

نواب صاحب کا خط نہایت پاکیزہ تھا قلم کاغذ کیسا ہی خراب ہو مگر معلوم ہوتا تھا کہ بنایا گیا ہوا ہے۔ باوجود خوشخط ہونے کے اپنے ہاتھ سے قلم نہیں بناتے تھے۔

جوانی میں آپ کو گھوڑے کی سواری کا بہت شوق تھا۔ پیرانہ سالی کے زمانہ میں بھی اسی شوق کے یادگار کے طور پر ان کا اصطبل گھوڑوں سے معمور رہتا تھا۔

بزرگوں سے عقیدت و بیعت سب سے پہلے قدوۃ الاصفیا شیخ الفقہا سید المحدثین مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب سے جو شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ العزیز کے نواسے اور دہلی کے مشہور محدث اور اکابر شیوخ سے تھے بیعت کی۔ ان کے وصال کے بعد شاہ ابوسعید صاحب اور شاہ احمد سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سجادہ نشین حضرت شاہ غلام علی صاحب نقشبندی مجددی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ فیوض باطنی کرتے رہے۔ آخر میں حضرت شاہ عبدالغنی صاحب دہلوی قدس سرہ العزیز سے تجدید بیعت فرمائی۔ شاہ صاحب نے آپ کو سلسلہ علیہ نقشبندیہ میں سند خلافت بھی

عطا کی تھی۔ شاہ صاحب موصوف اُن کو اپنے خلفاء[۵۱] سے اجل سمجھتے تھے اور
اپنے مریدین کو تکمیل کے واسطے نواب صاحب کی خدمت میں بھیجا کرتے تھے۔
نواب صاحب شب و روز مجاہدے اور ریاضت میں بسر کرتے تھے آپ کا
کشفِ قبور اُس وقت مشہور تھا اور نسبت زبردست تھی۔ مولانا ولی النبی
صاحب رامپوری جو خاندانِ نقشبندیہ کے صاحب کمال بزرگ تھے فرماتے

---

۵۱ شاہ صاحب کا مندرجہ ذیل خط قابل ملاحظہ ہے۔
بسم اللہ الرحمن الرحیم از عبدالغنی عمیم الاحسان نواب محمد مصطفےٰ خاں صاحب۔ سلام مطالعہ فرمایند۔
تا شما نزد ہم محرم الحمد للہ بخیر ہستم و سلامتی ایشاں مطلوب پیشتر بدست مومن علی خاں مکتوب فرستادہ ام امید کہ
دعا در حق فقیر مبذول مودہ باشند۔ میاں اسد اللہ داخل طریقہ شدہ اند امید کہ بر حال ایشاں عنایت مبذول دارند
والسلام۔ بفرزند عزیزہ معہ فرزندان سلام برسد میاں عزیز و میاں رشید سلام خوانند۔
ایک دوسرا خط جو میاں احمد جان صاحب دہلوی برادر مولوی سمیع اللہ خاں صاحب کے نام
شاہ صاحب نے بھیجا تھا جس سے ظاہر ہوگا کہ ان کے تعلقات نواب صاحب کے ساتھ کس درجہ کے تھے وہ خط یہ ہے بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ از عبدالغنی
بہادر عزیز جان علیم اللہ خاں المشتہر بمیاں احمد خاں سلام خوانند و مکتوب آں مکرم فی الحال در مکہ معظمہ رسید نداند
مطالعہ او فرحت و حظ تام حاصل گشت الحمد للہ فقیر تا کتابت بخیر ہست و خیریت شما از مصائب دارین مطلوب۔ بحرمت
سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم علیہ و علی آلہ و اصحابہ اجمعین از رحلت نواب مصطفےٰ خاں رحمۃ اللہ علیہ عزوجل چہ تو قہا بر دل
ناتواں رسیدند ؎ من از چشم تو ای ساقی خراب افتادہ ام + اما بلائے کز حبیب آید ہزارش مرحبا گفتم۔
اما شاء اللہ تعالیٰ و ایاکم فی حیہ و احیانا و ایاکم فی ودہ۔ چنانچہ از طرف اوشان وصی بر اہل و عیال ہستید از طرف من
نیز شما وکیل ہستید۔ وکفی باللہ وکیلا۔ عیال اوشان را عیال من شمارید و ذوقہا از صحبت اوشان بردہ اید و شوقہا از
مجلس شان برخاستید۔ سیر گل سیر ندیدند و بہار آخر شد۔ از کیفیت ہائے خویش نوشتید بسیارے
محظوظ شدم۔ چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی + بیاد آر محبان بادہ پیمارا۔
مخدوما۔ دلی بابل بخیر است از وے چہ توقع خیر است در وحی کہ بابل بہتر است نفس ایما را از وے بہتر است بلند نفس باشد بہترین سبل
نہ نماید نسبتی مجددیہ نقشبندیہ اگرچہ قلیل باشد قلیل نیست کہ مقتبس از مشکوٰۃ سنت نبوی است و سنت محبوبہ
فخر ما گشتہ ؎ ما درکمیں جلوے صیدی نشستہ ایم + گو طاقتے کہ گرد فشاند بدام ما۔ والسلام
تمر مدینہ ہمراہ مکتوب نواب محمد علیخاں در جہانگیر آباد فرستادہ ام (بقیہ نوٹ صفحہ ۱۰ پر ملاحظہ ہو)

تھے کہ ایک مرتبہ انھوں نے اپنے دہلی پہنچنے کی اطلاع نواب صاحب کو خط کے ذریعہ سے دی مگر اتفاق سے وہ خط کے پہنچنے سے پیشتر پہنچ گئے اور خط نواب صاحب کو اُن کی موجودگی میں ملا۔ قبل اس کے کہ خط کو کھولیں یا پڑھیں اُن سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے کہ "کیا آپ کو بھی اس وقت نسبت نقشبندیہ کی کچھ خوشبو آتی ہے۔ میرا دماغ تو اس خوشبو سے مالامال ہو گیا ہے"

مولانا حالی مرحوم کی زبانی نقل ہے کہ ایک بار نواب صاحب مولانا شاہ غوث علی پانی پتی کی زیارت کو پانی پت تشریف لے گئے۔ چند روز مولانا سے اوقات خاص میں صحبت رہی۔ وقت مراجعت و رخصت مولانا نے آپ سے مصافحہ کیا اور آپ کا ہاتھ ذرا زور سے دبایا۔ اسی طرح تین بار مصافحہ کیا۔ نواب صاحب فرماتے تھے کہ ہر بار میرے قلب میں ایک ایسی کیفیت پیدا ہوتی تھی جو بیان میں نہیں آسکتی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹) اگرچہ خود بیابند بہتر ہست نمایند بتیج ہاگر میاں ناصر وزیر بدہند درمیان خود و میر عبدالرحمان و میر عوض علی و مولوی ولی النبی صاحب و ہمشیرہ عزیزہ اہل خانہ میاں اموجان غفر اللہ لہ تقسیم نمایند فلوس در مکتوب نوشتند تا ہنوز نرسید اند۔ از عبدالرحمن و اسمٰعیل و ہمشیرہ ہا خوانند ہمہ ہا سلام۔ تمام شد

مذہب کا احترام اور شرعی پابندی

آپ نہ صرف صوفی باصفا تھے بلکہ عالم باعمل تھے۔ اپنے ذاتی فائدہ کے لیے کبھی کسی شرعی مسئلہ میں توجیہہ و تاویل کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ مولانا حالی نے حیات جاوید میں آپ کے متعلق ایک واقعہ لکھا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے نفس کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتے تھے۔ مولانا حالی لکھتے ہیں :۔

"ہم نے خود دیکھا ہے کہ نواب مصطفےٰ خاں مرحوم رئیس جہانگیر آباد ضلع بلند شہر کے پاس ایک موضع گرو تھا۔ بہت مدت کے بعد مالک نے اس کو چھڑانا چاہا۔ ہر چند کہ رہن نامہ میں تمام منافع موضع مرہونہ کا مرتہن کو معاف و مباح کر دیا گیا تھا اور فک رہن کے وقت مالک بخوشی کل زر رہن ادا کرنا چاہتا تھا اور مفتیوں نے بھی اباحت کا فتوےٰ دیدیا تھا لیکن اس مرحوم مغفور نے یہ حدیث پڑھی کہ اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ وَلَوْ اَفْتَاكَ الْمُفْتُوْنَ اور جسقدر محاصل اس موضع سے وصول ہوا تھا زر رہن میں سے سب مجرا دیکر باقی روپیہ راہن سے لے لیا۔ یہ بات دہلی میں آج تک مشہور ہے کہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب قدس سرہ اس احتیاط کے سبب کہ آموں کی فصل قبل پھل آنے کے عموماً فروخت ہو جاتی ہے جو شرعاً ناجائز ہے کبھی آم نہیں کھاتے

تھے۔ نواب صاحب نے اپنے علاقہ میں سختی سے اس شرعی احتیاط کو قایم رکھا تھا کہ جب تک کہ پورے طور پر پھل نہ آجائے اُس وقت تک فصل فروخت نہ کی جائے چنانچہ اب تک وہ قاعدہ جاری ہی۔ اسی وجہ سے شاہ صاحب ہمیشہ جہانگیر آباد کا آم بغیر کسی عذر کے کھایا کرتے تھے۔

ورع و تقویٰ

جن ایام میں نواب صاحب باشتباہ بغاوت قید و بند میں مبتلا تھے ایک وصیت نامہ بنام مہین فرزند محمد علی خاں صاحب وغیرہم تحریر فرمادیا تھا اُس میں بنظر انتظام جملہ متعلقین و متوسلین کے لیے مقدار مصارف بالتفصیل معین کردی تھی۔ دیون کے ادا کرنے کی تاکید تھی۔ بعد وفات قضا روزوں کے کفارہ ادا کرنے کی ہدایت تھی۔ ان وصایا کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہی کہ آپ احکام شرعی کی بجا آوری میں کیسے راسخ اور ثابت قدم تھے اور خدا کی ذات پر کسقدر بھروسہ رکھتے تھے۔ آپ نے اس وصیت نامہ میں منجملہ دیگر امور کے رمضان شریف کے روزوں کے قضا کا حساب اور اس کے کفارہ کے ادا کی تاکید جن الفاظ میں لکھی ہے وہ یہ ہیں

"میرے اوپر رمضان شریف کے روزے ہیں خوب یاد نہیں مگر احتیاطاً دس رمضان کے لکھ لینا جس کے دس مہینے ہوے ہر روزہ کی بابت ایک شخص

مسلمان کو دو سیر گندم چاہئیں۔ جس کے مہینہ کے ڈیڑھ من ہوئے تو دس مہینے کے پندرہ من ہوئے ان کا دینا ضرور ہے مگر میری موت کے بعد کس واسطے کہ زندگی میں یہ کفارہ ادا نہیں ہوتا پس جب میری موت کا حال سُن لو جو شخص اُس وقت میں زندہ ہو وہ پندرہ من گیہوں کہ ایک ایک فقیر کو دو دو سیر گیہوں دے۔"

سفر حجاز نواب صاحب نے یہ مبارک سفر[۵] ذی الحجہ ۱۲۸۵ھ کو شروع کیا۔ آپ کی والدہ ماجدہ اور نانی صاحبہ اور چند متوسلین ہمراہ تھے۔ بمبئی تک منزل بمنزل خشکی کا راستہ طے کیا اثنائے راہ میں اکثر بزرگان دین کے مزارات پر حاضری کا موقعہ ملا اور اکثر اہل اللہ سے قدمبوسی کا شرف حاصل ہوا جس کی تفصیل آپ نے اپنے سفرنامہ میں لکھی ہے۔ جس کا فارسی نام برہ آورد اور عربی میں ترغیب السالک الی احسن المسالک ہے جو اُن کی حیات میں طبع ہو چکا تھا ان ناگزیر مشکلات

[۵] آپ نے اپنا سفرنامہ جو درصل اس مقدس سفر کا تاریخی روزنامچہ ہے نہایت تفصیل کے ساتھ شستہ فارسی میں مرتب فرمایا تھا۔ جس کا عربی نام ترغیب السالک الی احسن المسالک اور فارسی برہ آورد ہے۔ آپ کی زندگی میں شایع ہوگیا تھا۔ ۱۹۱۰ء میں اُس کا اُردو ترجمہ سید زین العابدین صاحب بی۔اے منصرم عدالت ججی فرخ آباد نے شایع کیا جس کا نام سراج منیر ہے۔ یہ ترجمہ بہت مقبول ہوا اور ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوگیا۔ نواب صاحب کی دیگر تصانیف کے سلسلہ میں اس کتاب کا ذکر بھی ملاحظہ ہو۔

کے علاوہ جو ۱۸۵۰ء سے قبل برّی و بحری سفر میں حجاج کو پیش آیا کرتی تھیں نواب صاحب مرحوم کو ایک ہولناک واقعہ پیش آیا کہ حدیدہ سے آگے چلکر جہاز چٹان سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا اور مسافر کشتیوں کے ذریعہ سے ایک ویران جزیرے میں اُتار دیے گئے۔ جہاز میں سے سامان خوراک بھی کم ملا اور آب شیریں کے صرف آٹھ پیپے ہاتھ آئے اور ہمراہی دو سو سے زائد تھے۔ ایک ایک پیالہ پانی ہر شخص کو صبح و شام پینے کے لیے ملتا تھا۔ چار دن کے بعد سب کے مشورے سے نو آدمی ایک چھوٹی سی کشتی میں بیٹھکر ساحل کی تلاش میں روانہ ہوے وہ سات روز کے بعد ساحل بحر کی ایک بستی میں پہنچے اور اپنے قافلہ کی مصیبت بیان کی وہاں کے حاکم نے سات کشتیاں مصیبت زدوں کی امداد کے لیے بھیجیں۔ جب اس جزیرے کا پتہ نہ لگا تو پانچ واپس چلی گئیں۔ لیکن دو کشتیاں ہمت کرکے بحر عجم کی طرف بڑھیں جن کو یہ جزیرہ مل گیا۔ ان دو کشتیوں کو دیکھکر سب خوش ہوے جتنے آدمی سما سکے ساحل کی طرف روانہ کیے گئے۔ مگر اس بُرے وقت میں نواب صاحب اُن لوگوں کے ساتھ رہے جو روانہ نہو سکے تھے اور محض فضل خداوندی پر بھروسا کرکے اسی ویرانے میں پڑے رہے چند روز کے بعد دو کشتیاں اُسی حاکم کی

بھیجی ہوئی اور آپہنچیں مگر طوفان کی وجہ سے دس دن تک روانگی ملتوی کرنی پڑی جب طوفان فرو ہوا تو نواب صاحب مع بقیہ ہمراہیان کے چل پڑے اور وہ سب سے آخر شخص تھے جو کشتی پر سوار ہوئے بالآخر ساحل لیث پر بخیر و سلامت جا اُترے اور وہاں سے براہ یمن عازم مکہ معظمہ ہوئے۔ اس واقعہ کو نواب صاحب نے اپنے سفرنامہ "برہ آورد" میں زبان فارسی میں حسب ذیل الفاظ میں تحریر فرمایا ہے وہ لکھتے ہیں :۔
ع اَنَا الْغَرِیْقُ فَمَا خَوْفِیْ مِنَ الْبَلَلِ - بہمہ حال بدیں نوع باں جزیرہ رسیدہ جزیرہ بود وچہ جزیرہ کہ چشم حاسد ازاں فراخ تر باشد و دل لئیم ازاں کشادہ تر و معہذا نہالے کہ بسایہ آں نواں نشست و نہ درختے کہ از میوہ آں بہرہ تواں برداشت نہ آب را در اں وجودی و نہ دانہ را در اں نمودی نہ راہی کہ ازاں جا تواں گزشت و نہ ساحلی کہ با نجا تواں رسید حال جزیرہ بایں خرابی کہ گفتم طور سفینہ بآں زبونی کہ شنیدی اکنوں چہ باید کرد چوں چارہ دگر نہ بود لاجرم بجزیرہ فرود آمدن تا اجل مقدر بہار ازاں جا گزرانیدن ضرورت افتاد ہرچہ ازاں اسباب وکالا از آب بالا بود از جہاز بدر باید اختہ آمد کہ تدبیر فرود آوردن ایں بود و بس پس ہر چہ

پیش ماماندنی بود بحکم خالق بحر وبر باد شرط وموج دریا شرط زورق وملاحی بجا
آورده بما سپرد وهر آنچه رفتنی بود بسمت دیگر برد وسپاس خدای را عز وجل
که بسیار آمد وکمتر رفت اما دران حال نه از رفتن حزنی ونه از آمدن سروری
وهمچنین بسا ابیل آب شیرین بدریا انداخته شد رفتنی رفت وآمدنی آمد و
کذالک از اجناس خوردنی هرچه برآوردن آن درحوصلهٔ امکان گنجید واکثرش
برنج وباجره بود که اهل کشتی بتجارت بار کرده بودند بعد فرو نشستن غوغا چاره
سگالی را بزم آراست واز پئے رای زدن نشست گفتگوی بمیان آمد این
بود آب ودانه درینجا وجودی ندارد وآب موجود هشت بر میل ومردم زیاده
بر دو صد کس وپیداست که اینقدر آب سرمایهٔ چند روزه تواند شد وتا حیز
بجائے نرسد رسیدن سفینه معلوم وراه خبر بسته اند چکنم تا گره از کار کشاید
همه بیک حرف زبان کشودند که کار از دست رفته است وآب از سر گذشته
تدبیری ندانیم وچاره نمی توانیم جز اینکه دران کوچک سفینه تنے چند از سر جان
برخیزیم ونشینیم تا چه پیش آید واز پس پردهٔ غیب چه رو نماید هر چند اندیشه
برنتابد که چنین کشتی از چنان دریا بسلامت بگذرد امّا اندیشه یعنی چه آنجا خوف
اگر از آب بحر است اینجا از آتش عطش ترشیده عذاب تشنه میری از آب

چوں تواند ترسید لاچارم بحکم الغریق یتشبث بکل حشیش دراں زبوں زورق
که حشیشے بیش نبود نه ده تن را که بعضے ازاں خود و سرخیل آں مولانا فضل علی
بودند باچندے از کشتی باناں و یکے مولوی برهان الدین که با مگارنده
ایں فرخ نامه مواسات تمام دارند در بمبئی ایشاں را شناسا آید از
اہل پنجاب اند فطرتی سلیم و فکرتی مستقیم ایشاں راست وجه سابق
گزارده حالیا بعزم سکونت در اشرف البلاد قبله کل حاضر و با دیر رفتند بعد
انقضاے چہار روز بریں واهیه بتاریخ چهارم شوال توکلاً علی الله شاینده
و سر و اده رحمت الٰہی را منتظر نشستیم ہر سحر که می خیزیم روبدریا می خیزیم و
هر شام که می خوابیم بر فسانه سفینه می خوابیم دوازده روز از رفتن کشتی و شانزده
روز از شکستن جهاز سپری گشت تا شام گاہے دو کشتی خرد نمود ار شد
و شب سیاه را ماه او پدید آمد پس از شادی آں زماں که فلک در
دریا از هلال روز عید بر فلک دلاویز تر می نمود و انستیم رفتگان آمدند
چوں ملاحاں فرود شدند دیدیم یکے از آناں نیست و شگفت زار افتادیم
هنگام پرس و جو بدینگونه داستان سرائی کردند که بعد هفت روز فرستادگان
شما به قنفذه که کوچک معموره است بر ساحل دریا رسیدند و پیشگاه حاکم

که رعب و وله خواند ما جمله گزار آمدند و بیاری او با هفت سنبوق ره پیما شدند
چند شبانه روز میانه دریا بهم تفحص جزیره پرداختیم چو از جزیره سراغی نمود ملاحان
آں پنج کشتی را بسمت قنفذه برگردانیدند چندانکه مولانا فضل علی و دیگراں
منع کردند سودے نداشت و دلیری نموده بسمت بحر عجم گرم تلاش شدیم
شکر لله که سعی ما مشکور آمد و گوهر مراد بکف افتاد القصه در دو زورق خورد در
کوب این جم غفیر صورتی نداشت لاجرم یکے را بعد سه روز و یکے را بعد شش روز
هر قدر مردم که گنجیدند نشانیده سر داده شد و خود تکیه بر لطف کارساز نموده
همدراں شورش کده توقف پزیر آمد لعل الله یحدث بعد ذلک امرا
از انجا که خداوندگار را با بندگان خود رحمتی برتر از وصف است بروز بست و پنجم
از شکستن کشتی دو کشتی دیگر مشاهده شدند ظن بدانها به رنگ و بوے داشت
که نفحات یقین بدماغ میرسید که مدهوشان ما را جنبش نسیم توفیق بخود آورد
و گم کرده راهان ما را خضر تحقیق از آواره خرامی استانید چوں بکنار رسیدند
باز همان نواهاے ناآشناست و همان شمائل هاے بیگانه تا هنگامه گفت
و شنود آغاز و زباں سرگرم پرسش راز گشت وا نمودند که آں پنج کشتی که
ره بجاے نبرد به راه قنفذه گرفت رسیدن همان بود و باز گردیدن همان که

ابر را ازیں معنی غضب در گرفت و قهرش فرو ننشست تا از جای بر نخاستیم
و یک کشتی دیگر افزود چند روز بهم جستیم عاقبت از تلاطم امواج و جوشش باد جدا
شدیم که بالحسب بخت و اتفاق بساحل مقصود گذر کردیم شعر و از گیست رهبر
در وادی محبت طوفان بود معلم دریای بیکران را از کار دیگران بپرهیم که هنوز
آب بکیل می پیمایند و باد درهاون میسائید یا عزم خانه کردند و رخ بسوی وطن
آوردند بعد رسیدند سفائن عزم جزم شد که این بار بهر طور جمله مردمان را بگنجانیم
غایت الامر از سامان و اسباب هرچه نگنجد بگذاریم این خیال مصمم شد و عزم
روانگی درپیش آمد مقارن آن حال طوفان باد و جوش باران و اضطراب
امواج پدید آمد سفائن صغیره را چه یارا که درین ناهنگام پا از حد خویش فراتر
نهند مصرع چراغ مرا باد و باران لبی است ده روز سبب توقف این شد
چون هنگامه ابر و باد فرو نشست بعزم سفر برخاستیم و بتاریخ پنجم شهر ذیقعده
وقت عصر آنجزایر را خیرباد گفته در کشتی نشستیم و رخ بسمت لیث کردیم شماره
ایام اقامت آن جزیره یک ماه و پنج روز است چون دریای عجم موجی
نه باندازه دارد غالب بیم هلاک بود و بحریان خطرناک اما آنجا که صیانت
ایزدی باشد هیچ آب و آتش گزند نتواند رسانید سالماً و غانماً بتاریخ

هشتم نصف النهار بساحل لیث رسیدیم الحمد لله علی ذلک حمداً کثیراً
ان لله هو شوراً و جوراً و کان امر الله قدراً مقدوراً حالیا پیش از انکه سخن
از باب دگر گویم ماجرای آب بر زبان آریم که با آن مایه کمی تا این زمانه دراز
باینهمه مردم که اندازه کثرت شان پیشتر گرفته چون وفا کرد تا بدائع قدرت کامله
آفریدگار دریابی بشنو که جامی شام و جامی پگاه چون ساغر مهر و کاسه ماه بخش
هر یکی بود و باین احتیاط چشم آن بود تا پانزده بست روز روی آب بینم
و هنگامه هنگام قسمت دیدنی داشت هر چند که کس بینا نه اما بمثالی روشن
نادیده بدیده مردم جلوه دهم و با هجوم تشنگان گرد صاحب تقسیم بمثابه انبوه
باده خواران چپ و راست میفروش با همان تپش و همان خروش عطش
زده پیش سبوی آب چون مستی بپای خم شراب بیخود افتاده تشنه را با کاس
آب آن معاملتی که می نوشی را با جام باده یکی نوای العطش العطش بگنبد مینای
رسانیده یکی زمزمه پیمانه گران تر ده با آن سیر آهنگی سروده که زهره از غصه
بزم نشاط برچیده ای حسرتی زیر و بم پیش کش سخن ساده گوی داستان
ماتم را با دف و نی مسرای شعر درد انگیز را بصوت حزین درد انگیزتر مکن
حدیث پر شور بملاحت بیان نمکین تر مساز افیون در شراب میامیز پرکاله

دل باسرشک مریزه از نظیر و مثال بگذر ساده بر سر داستان طرازی شو بگو تا دگر
چه می گویی چون درد و جام که قسمت میشد رفع عطش از کجا نان پختن را سرمایه کو
ناکام پخت طعام از آب شور بود تراوش ابر رحمت بین که سحابی آمد و بارانی
باریدن گرفت کمال کن رسیدند و آوندها نهادند قدرے آب فراهم آمد و دو سه روز را سامان
شراب و طعام بر وجه شایسته مهیا گشت - ازین پس بخاطر حقیر گذرانیدند اگر
آب دریا چون عرق بکشیدن آید شاید که بکشیدن آرزو و نوشیدن را شاید امتحان درست
اندیشه و انمود سلمنا طعم عرق داشت اما در اجائگاه نوشیدن تر از آب حیات
و شیرین تر از شراب قند و نبات بود طول کوتاه درین هنگام که پیدا صورت
سختی داشت پنهان چه موهبت هائے جلیل و عطیه هائے جمیل که ارزانی نداشتند
اگر همه بگذارم از نعمت ربا و سمعه می ترسم و اگر همه را گذارم از نعمت کفران
نعمت می هراسم نعمت ها از خداوند دیده ام و اما بنعمت ربک فحدث شنید
خاموش چه توانم بود میگویم هرچه باداباد ناسّستی با این صحابه کیش منت چنگ
در دامن عبد العزیز میزنم و باقتدائے ایشان زمزمه می سنجم خدا از آفت
ریاتگاه داراد و موهبت بخشش آن بود که دلی عطا کردند صبور و زبانی سپاس
گذار دل وقف تحمل ها و لب سر گرم ثنا از بدایت تا نهایت ناشکیبی گردسار

پردۂ ضمیر نگشت واز آغاز تا فرجام بیقراری درپس کوچۂ مجہول ماندا گر باور داری کہ دروغ گفتن روا نیست سخن مرا باور کن ولاف شناس وگزاف مداں و شکرف نگیرو ایں نہ حد چوں منی بود ہر آئینہ لطفے بود از لطائف جل شانہ و عم نوالہ چوں لطف او کار فرما شود ذرّہ خورشیدی کند و قطرہ دریاے دگر در وادی بے آب و دانہ آب و دانہ چہ گونہ عطا فرمودند باز از چناں دشوار جاے چہ آسان برآوردند دیگر یکے ہم ازیں ہمہ آسیبی ندید و گزندی نیافت کار آفتادہ شناسد کہ در صورت چنیں وقایع ایں معنی بس نادر است وار وس وکالا ہم از بسیار اندکے واز صد یکے رفت شمارہ آلاے ایزدی از نیروی تنومنداں بالاتر است تا از ناتوانی چہ آید خوشتر آں است کہ سوال فراوانی نعم بلیشمار تا روز شمار و خواستگاری مواہب بحساب تا روز حساب نمودہ صرف نفس بداستان طرازی کند مستور مباد کہ بتاریخ نہم در لیث آمدیم قریہ مختصر یست -

حج وزیارت بیت اللہ

وہاں سے براہ خشکی روانہ ہو کر منزل مقصود یعنی مکہ معظمہ پہنچے اور زیارت بیت اللہ کی مسرت نے تمام مصائب سفر کو بھلا دیا- حج سے فارغ ہونے کے بعد نواب صاحب کی والدہ ماجدہ اور نانی صاحبہ نے

چار روز کے فصل سے یکے بعد دیگرے مکہ معظمہ میں سفر آخرت اختیار کیا۔ اور اسی خاک پاک میں جنت البقیع کے مقدس قبرستان میں مدفون ہوئیں۔

زیارت مدینہ منوّرہ

مکہ معظمہ میں دو ماہ پانچ روز قیام کرنے کے بعد آپ مدینہ منوّرہ کو روانہ ہوئے۔ جس ذوق وشوق اور جس سچّے خلوص کے ساتھ آقائے دو عالم حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئے تھے اس کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے ہوتا ہے۔[۵۱]

جب آپ کا قافلہ قریب شہر کے پہنچا شیخ الحرم تشریف لائے اور پوچھا کہ محمد مصطفےٰ خاں نامی کوئی شخص اس قافلہ میں ہے۔ لوگوں نے اثبات میں جواب دیا۔ شیخ نے نواب صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "آپ میرے مہمان ہیں" نواب صاحب نے جواب دیا "مجھے اس سے زیادہ کیا فخر ہو سکتا ہے۔ لیکن چونکہ میں ابھی یہاں بالکل نو وارد ہوں سر دست مجھکو

[۵۱] یہ واقعہ نواب صاحب نے اپنے سفرنامے میں نہیں لکھا ہے۔ بلکہ آپ نے اپنے ہمراہیوں میں سے ان اشخاص کو جنہیں اس واقعہ کا علم تھا ممانعت کر دی تھی کہ وہ کسی سے اس امر کا ذکر نہ کریں۔ حضرت مولوی محمد احمد جان صاحب خلیفہ شاہ عبدالغنی صاحب برادر اکبر مولوی سمیع اللہ خاں صاحب سی۔ ایم جی۔ مرحوم جو نواب صاحب مرحوم کے دوست اور پیر بھائی تھے اس واقعہ سے واقف تھے۔ لیکن انھوں نے بھی نواب صاحب سے یہ وعدہ کر لیا تھا کہ وہ انکی زندگی میں اس واقعہ کا اعادہ نہ کریں گے مگر نواب صاحب کی سوم کی مجلس کے بعد اسکا تذکرہ کیا تھا۔

اس عزت سے معاف فرمایا جائے" اس پر شیخ نے صاف طور پر اپنے تشریف لانے کی وجہ بتائی اور فرمایا کہ "نہ میری مجال کہ معافی دوں نہ آپ کی طاقت کہ آپ معافی مانگ سکیں۔ اس لیے کہ "مجھکو حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا حکم ہوا کہ میں جا کر حضور کی طرف سے شرط معافی بجا لاؤں" یہ سنتے ہی آپ پر ایک حالت وجد طاری ہو گئی"

سفر طائف مدینہ منورہ میں ۳۹ روز مقیم رہنے کے بعد مکہ معظمہ کو واپس ہوئے اور مکہ معظمہ سے طائف تشریف لے گئے۔ یہاں کے قابل دید مقامات دیکھے اور جو یادگاریں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی موجود تھیں اُن کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

استغنا قیام مکہ معظمہ کے زمانہ میں مسجد حرام میں ایک کردستانی[۵] بزرگ نے یہ معلوم کر کے کہ نواب صاحب کی کشتی ٹوٹ گئی تھی سرمایہ تلف ہو گیا ہوگا

---

[۵] روزی از روزہا بعد نماز در مسجد الحرام نشستہ بودم عزیزی از کردستان پہلوے من بود گفت پارسی دانی گفتم آرے گفت تونہ آنی کہ کشتی تو شکست گفتم آری گفت این نہ بیت اللہ است گفتم آری گفت نہ این جائے خلاف نیست گفتم آری گفت ما شنیدیم کہ عزیزے راکشتی شکست مرا از غصہ جگر خون است دانم ساز و سامان رفتہ باشد و برگ و نوا تلف گشتہ خاکی پیش من است بگیر و ساز برگی بسازاین بگفت و کاغذی پیچیدہ (بقیہ نوٹ صفحہ ۲۵ پر دیکھو)

آپ سے درخواست کی کہ میرے پاس ایک خاک ہے وہ لے لو اور اپنا
سامان درست کر لو چنانچہ ایک پڑیا کمر سے نکال کر سامنے رکھ دی اُس کا
یہ کہنا تھا کہ نواب صاحب کو سخت رنج ہوا اور دل میں کہا خدایا میں تو
بخشایش کا طالب ہوں نہ زر کا۔ اُس کی طرف سے مُنہ پھیر لیا اور کہا
مجھکو معذور رکھو اس نے پھر اصرار کیا اور آپ نے انکار کیا تو وہ بولا کیا مجھکو
شعبدہ باز یا مکّار سمجھتے ہو۔ آپ نے جواب دیا کہ میں گمان بد کرنے والا
آدمی نہیں۔ اُس نے پھر اصرار کیا کہ یہ نہ سونا ہے نہ چاندی محض خاک ہے
اس کے لینے سے کیوں عار ہے۔ نواب صاحب نے کہا کہ اس خاک پر تو
خاک ڈالو۔ ہاں کوئی ایسی چیز دو جو مس وجود کو سونا بنادے۔ کُردی نے
کہا کہ ایسی چیز کی خواہش تو تم سے زیادہ خود مجھکو ہے۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۴) از میان بر آورد و پیش من نہاد این سخن از روے گفتن و مرا دل از مو بہ درہم شدن گفتم خدایا خواہان آمرشش آمدہ ام نہ جویاں زر روی ازو درپیچیدم و گفتم عذرم می پزیر سرمایہ من با من آ منت خدا است را کہ جز بخشش نیاز مندم نکردہ باز روزی دو چار شد و ہمان گفت کہ گفتہ بود و ہماں گفتم کہ شنیدہ چوں درمن میلی ندید بدیں گونہ بسخن در آمد کہ مرا آئینہ شعبدہ باز و نیرنگ سازم میدانی گفتم از بد گمان نیم گفت پس چرا نتواں گرفت گفتم نمی تواں گرفت گفت نہ این سیم است و نہ زر کف خاکی است ننگ از چیست گفتم خاک بر سر این خاک چیزی آں بیار کہ مس وجود را از زر ناب کند گفت باں مسئول از سائل نیاز مند تر است ۱۲

مراجعت وطن

طائف سے پھر حرم محترم میں پہنچے - ۱۵ روز مکہ معظمہ میں آخری قیام کرکے وطن کو مراجعت فرمائی اور پورے دو سال اور چھ دن کے بعد ۲۳-ذی الحجہ ۱۲۵۶ھ ہجری کو دہلی میں وارد ہوئے - علاوہ اُن گوناگون فیوض اور برکات کے جو اس مبارک سفر سے حاصل ہوئیں ایک سن رسیدہ بزرگ کی اشارت ہی جن سے بڑودہ میں بوقت مراجعت وطن قدمبوسی کا اتفاق ہوا تھا اُنھوں نے اس مبارک سفر کا ایک نکتہ بتایا جس کو آپ نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہی اُس کا اس موقعہ پر نقل کرنا خالی از دلچسپی نہوگا - کیا خوب فرمایا ہے -

"جو فاسد مادّہ خودی اور اسباب ظاہری میں گرفتار رہنے کا انسان کے اندر موجود ہے اُس کے دور کرنے کے لیے سمندر کا سفر نہایت مفید ہی" بالخصوص ایسے وقت میں جبکہ موجیں ٹکرائیں آسمان میں ابر غلیظ گھرا ہو اُس مصیبت کے وقت میں کہ کوئی تدبیر کارگر نہو سکے اور تمام ظاہری اسباب مفقود ہوں - پردہ درمیان سے اُٹھ جاتا ہے اور کثرت کے غالب ہونے کا خیال نکل جاتا ہے اور خداوند واحد کا غلبہ معلوم ہوتا ہے - خودی کا طلسم ٹوٹ جاتا ہے - لمن الملک الیوم" للہ الواحد القہار کا مطلب ظاہر ہوجاتا ہے" ان باخدا بزرگ کے اس مقولہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ نواب صاحب پر جو خاص قسم کی

مصیبت اس سفر میں گزری تھی اور جس کا مجمل ذکر سطور بالا میں کیا گیا ہے وہ
دراصل ایک مبارک ابتلا تھا۔ جس میں خدا کو مشاہدۂ وحدت کرانا اپنے خاص
اور برگزیدہ بندوں کو منظور تھا۔

ایّام غدر کی مصیبت

غدر ۱۸۵۷ء میں ہندوستان کے عمائد و شرفا پر جو مصیبت
گزری ہے خدا دشمن کو نہ دکھائے۔ نواب صاحب بھی اُس سے مستثنیٰ نہ رہے
اُن کا دارالریاست جہانگیر آباد خطرناک حالت میں تھا۔ نواب صاحب اُس
کو چھوڑ کر بمقام خان پور جو جہانگیر آباد سے چند میل کے فاصلہ پر ہے اپنے عزیز
دوست عبداللطیف خاں صاحب رئیس خان پور کے ہاں اقامت گزین
ہو گئے تھے ٹھاکروں نے قلعہ جہانگیر آباد پر قبضہ کر لیا اور نواب صاحب
کے عالیشان اور خوشنما محلوں کو آگ لگا دی۔ تمام قیمتی اور پُرتکلف اثاث البیت
جل کر خاک سیاہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ اُن کا گراں بہا کتب خانہ اور اُن کی
اپنی تصانیف جس میں اُردو و فارسی کا کلام بھی شامل تھا آگ کی شعلوں کی نذر
ہو گیا۔ جس وقت بھیم سنگھ اور اُس کے ساتھی ٹھاکروں نے جہانگیر آباد میں
یہ ہنگامہ فسا د برپا کر رکھا تھا۔ حُسن اتفاق سے ریاست رامپور کی فوج دہلی
جانے کے لیے جہانگیر آباد سے گزری۔ اس فوج کا افسر نواب[۱۵] یوسف علی خاں

[۱۵] نواب فردوس مکان ابو یوسف علی خاں صاحب بہادر اور نواب شیفتہ مرحوم سے (بقیہ نوٹ صفحہ ۲۸ پر ملاحظہ ہو)

فردوس مکان والیِ رام پور اور نواب مصطفےٰ خاں صاحب کے دوستانہ تعلقات سے واقف تھا اس لیے اُس نے ٹھاکروں کے مقابلہ میں نواب صاحب علیہ الرحمہ کے تابعین کی مدد کی اور اُن کو از سرِ نو قلعہ جہانگیر آباد پر قبضہ دلا دیا۔

الزام بغاوت سے برائت نواب صاحب پر بغاوت کا الزام بھی لگایا گیا اور کچھ عرصہ تک یوسف زنداں بنائے گئے مگر آخرکار اس سے گلوخلاصی ہوئی اور نواب صاحب بفضلِ خداوندی مامون و مصئون رہے اور مدارج و مناصب بھی برقرار رہے۔

صبر و استقلال خواجہ حالی مرحوم فرماتے تھے کہ ایام غدر ۱۸۵۷ء میں جبکہ نواب صاحب مصیبت حبس میں بمقام میرٹھ تشریف رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷)

اُس زمانہ سے مخلصانہ تعلقات تھے جبکہ نواب فردوس مکان مسندِ حکومت پر متمکن ہونے سے قبل دہلی میں قیام فرماتے تھے اُس زمانہ میں نواب عبد الرحمن خاں صاحب برادرِ خورد نواب جنت آرام گاہ محمد سعید خاں صاحب بہادر دہلی کے قریب گورگانوہ میں ڈپٹی کلکٹر تھے نواب شیفتہ مرحوم کی چھوٹی ہمشیرہ صاحبزادہ اصغر علی خاں صاحب برادرزادہ نواب جنت آرام گاہ سے منسوب ہوئی تھیں اُس وقت سے نواب شیفتہ مرحوم اور ریاست رام پور میں باہم خاندانی مراسم قائم ہوگئے جو اب تک قائم ہیں جب نواب جنت آرام گاہ محمد سعید خاں بہادر ریاست رام پور کی مسند پر متمکن ہوئے اور نواب محمد مصطفےٰ خاں صاحب ادائے تہنیت کے لیے رام پور آئے تو یہ قرار پایا کہ نواب محمد مصطفےٰ خاں نذر پیش کریں اور نواب رام پور معانقہ کریں اور خلعت دیں جس میں ایک ہاتھی بھی مقرر تھا۔

بہت کوشش سے اپنے مہربان قدیم ٹرمبل صاحب کے پاس جو پہلے کلکٹر
بلند شہر اور میرٹھ میں جج ہو کر آگئے تھے یہ پیام بھجوایا کہ آپ کسی وقت آکر مجھ سے
ملیں۔ صاحب نے جواب دیا کہ میں علی الصباح آسکتا ہوں چنانچہ حسب وعدہ
آئے لیکن نواب صاحب اُس وقت دوگانہ سنت ادا کر کے فریضہ کے تہیّہ
میں تھے کہ آدمی نے اطلاع کی۔ نواب صاحب نے نہایت اطمینان کے ساتھ
نیت فریضہ باندھ لی اور حسب عادت سورہ دہر پڑھی۔ اختصار گوارا نہ فرمایا۔
نتیجہ یہ ہوا کہ ٹرمبل صاحب بعد انتظار بسیار واپس گئے اور ایک ظاہری قوی
تدبیر ہاتھ سے جاتی رہی۔ مگر اس تدبیر کے فوت ہونے سے اُن کے
استقلال میں کچھ فرق نہیں آیا۔

تسلیم و رضا

حاجی باسط علی صاحب ساکن کرسی جو ایک دیندار و ثقہ آدمی
تھے فرماتے تھے کہ مصائب ایام غدر میں ایک دن نواب صاحب مرحوم
پیادہ پا محافظین کے ساتھ سڑک پر جاتے تھے۔ اس اثنا میں آسمان کی طرف
دیکھا اور فرمایا،، تیری شان کریمی کے قربان کہ اتنی ہی سزا دی ورنہ میں تو اس
سے بہت زیادہ سزا کا مستوجب ہوں۔

ایک زمانہ میں شمس العلما مولوی ذکاء اللہ صاحب بلند شہر کے ڈپٹی انسپکٹر تھے

اُن کی زبانی نقل ہے کہ دہلی میں نواب صاحب کو مرض سرطان عارض ہوا ڈاکٹر اپریشن کیا کرتا تھا اور ناقص حصہ گوشت کا آلات سرجری سے کاٹ کاٹ کر برابر صاف کیا کرتا تھا جس سے تیمارداروں کو تاب ضبط نہ رہتی تھی۔ چنانچہ ایک روز صاحب زادہ محمد علی خاں بے اختیار رونے لگے۔ لیکن نواب صاحب کی پیشانی پر کبھی بل بھی نہ آتا تھا۔ صاحبزادہ صاحب کو بلایا اور فرمایا کہ "اس جسم خاکی کے زوال پر رونا نہایت کم ہمتی ہے۔ انسان کو اپنی مصیبت پر رونا نہ چاہیے"

مولوی ذکا اللہ صاحب فرماتے تھے کہ ایسا ضبط و استقلال میں نے آج تک کسی شخص میں نہیں دیکھا۔

علمی چرچے اور صحبتیں

غدر سے قبل نواب صاحب کا قیام زیادہ تر دہلی میں رہتا تھا۔ نواب[۵۱] ضیاء الدین خاں نیّر۔ مفتی[۵۲] صدر الدین خاں آزردہ۔ حکیم

---

[۵۱] نواب صاحب ضیاء الدین خاں لوہارو کے رئیس تھے اور دہلی میں قیام پذیر تھے آپ تاریخ پوئی میں مہارت کامل رکھتے تھے
[۵۲] مفتی صاحب نواب صاحب کے انتقال کے بعد عرصہ تک زندہ رہے جب کبھی نواب محمد علی خاں یا نواب محمد اسحاق خاں صاحب فرزندان نواب صاحب مرحوم سے ملاقات ہو جاتی تو نواب صاحب کی یاد تازہ ہو جاتی اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے نواب صاحب نے (بقیہ نوٹ صفحہ ۳۱ پر ملاحظہ ہو)

احسن اللہ خاں ۔ مولوی امام بخش صہبائی ۔ مرزا اسد اللہ خاں غالب ۔ سید غلام علی خاں وحشت[۱] ۔ میر حسین تسکین ۔ حکیم مومن خاں مومن جیسے سخنوران باکمال کا اُس شہرِ لطافت بھر میں جمگھٹا تھا جب یہ لوگ ملکر بیٹھتے شعر و سخن ہی کا شغل اور چرچا رہتا یہ ۱۸۴۷ء کا وہ زمانہ تھا کہ نواب صاحب و مفتی صاحب کے یہاں ہر ہفتہ باری باری سے مشاعرہ ہوا کرتا تھا۔ ایک روز نواب صاحب کے یہاں مشاعرہ تھا اُس میں مفتی صاحب نے اپنی وہ مشہور غزل پڑھی جس کا ایک شعر یہ ہے

یا تنگ نہ کر ناصح ناداں مجھے اتنا
یا لا کے دکھا دے دہن ایسا کمر ایسی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۰) گلشن بیخار میں آپ کا ذکر حسب ذیل الفاظ میں کیا ہے:۔ "فی الجملہ مولانا از دودۂ بزرگی است بزرگانِ ایشان از اہل علم و اعتبار بودہ اند و مولد و منشاے وی ہمیں بقعۂ مبارک است اعلیٰ ترین مناصب فضل خصوصیات کہ باصطلاح اہل زمانہ صدر الصدور پیش میخوانند وامروز در سلطنت ایشان براے ارباب ہند شایستہ تر ازیں خدمتی نیست با ایشان است و مولانا آن را ذریعہ کسب معیشت دنیوی و وسیلہ نیل مثوبات اخروی گردانیدہ کہ ہمہ ہمتش صرف رواے کار انام است و برکت نفعش شامل خاص و عام باوا سے اتحاد موفور و التیام نامحصور دار در وزی نیست کہ شہد صحبت ایشان چشیدہ نشود و با ایں قند مکرر کام تبال حلاوت اندوز نگردد و باعتقاد من روزیکہ بے شرف مجالست ایشان بپایان آید داخل ایام عمر نیست"

---

[۱] سید صاحب ملتفتہ شہر کے مشاہیر میں گزرے ہیں۔ نواب صاحب سے اُن کی گہری دوستی تھی یہاں تک کہ ان کی دوستی عشق کے درجہ پر پہنچ گئی تھی نواب صاحب کے سب ملنے والے ان دونوں کو ایک جان دو قالب سمجھتے تھے یہ ہی وجہ ہے کہ مرزا غالب نے ان دونوں کا ایک ساتھ اپنے ایک شعر میں ذکر کیا ہے۔ (بقیہ نوٹ صفحہ ۳۲ پر ملاحظہ ہو)

نواب صاحب نے مرزا حاؔ مفتی صاحب کے چھیڑنے کو اسی طرح میں ایک غزل ایسے شخص کو لکھکر دیدی جس کا شمار سخنوران مشاہیر میں نہ تھا۔ مفتی صاحب کے بعد جس وقت اُس نے اس غزل کو پڑھا مفتی صاحب کی گھبراہٹ اور پریشانی قابل دید تھی۔ اس غزل کے دو شعر یہ ہیں ؎

ہم بزمِ دشمن کا چھپانا ہی تھا قاصد + کہتا ہو کسی سے کوئی ناداں خبر ایسی

کہنے ہو علاج آپ کریں کچھ خفقاں کا + دل کا ہے کو رہویگا سُنائی اگر ایسی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۱) وحشت و شیفتہ اب مرثیہ کہویں شاید + مرگیا غالبِ آشفتہ نوا کہتے ہیں۔

ایک مرتبہ مرزا نے جب جہانگیر آباد میں نواب صاحب کے پاس وحشت مرحوم کا آنا سُنا تو نواب صاحب کو خواجہ حافظ کا یہ مشہور شعر اس طرح بدل کر لکھ بھیجا ؎ چہ با حبیب نشینی و چای پیمائی + بیاد آر حریفان بادہ پیما را۔ مرزا نے یہ تصرف بے وجہ نہ کیا تھا۔ چونکہ نواب صاحب محتاط تھے اس لیے اُن کی نسبت بادہ کی بجائے چای کا لفظ لکھنا پڑا (یادگار غالب)

خود نواب شیفتہ نے اپنی گلشن بیخار میں آپ کا تذکرہ اس طرح لکھا ہے:—

"وحشت تخلص غلام علیخاں خلف الصدق میر فرحت اللہ خاں داماد مولانا محمد رشید الدین خاں غفر اللہ لہما از دودمان کریم است وازاکابر زادگانِ فخیم مولدش مراد آباد و دربنارس و شاہجہان آباد نشو و نما یافتہ بالفعل بمناصب ممتازۂ انگریزی در بلند شہر بسر می برد ماہ مینار اوج سخن سنجی و سخندانی است و مہر انور فلک مضامین و معانی گلہائے فکرش دستہ بزم گلرخاں را شاید و جواہر نظمش آویزۂ گوش یاقوت لباں را باید نہ ہے حلاوت کلامش کہ از زبان حسود ہیچو است بجائے طعنہ نعرۂ احسنت خیزد و خے ذوق گفتارش کہ در نہر چند شراب از دہان اعدا ریزد"

نواب صاحب کی رسم و اتحاد مفتی صاحب سے نہایت مستحکم تھی۔ تذکرہ گلشن بیخار میں جہاں مفتی صاحب کا حال لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ "ایسا کوئی دن نہیں ہوتا کہ مفتی صاحب سے ملاقات نہ ہوتی ہو۔ اور میرے اعتقاد میں جس روز ان کی مجالست کا شرف حاصل نہ ہو داخل ایام عمر نہیں ہے"

ہم کو معلوم ہوا ہے کہ دونوں بزرگوں کے دولت خانوں میں زیادہ فصل نہ تھا اس لیے اکثر باہم آمد و رفت رہتی تھی۔ جب سفر حج سے واپس ہو کر نواب صاحب وارد بمبئی ہوئے تو مفتی صاحب کے خط کے جواب میں ایک قطعہ فارسی بیس شعر کا نواب صاحب نے لکھا تھا جس میں سے چند اشعار بطور یادگار ہم بھی لکھتے ہیں۔

بہر طواف کوئے تو اے مہر اوج فضل	رو جانب زمین ز سما کردہ ایم ما
در کعبہ داستان مدیح تو خواندہ ایم	و اندر مدینہ بر تو ثنا کردہ ایم ما
ہر جائے کان محل اجابت شمردہ اند	حق وفا و مہر ادا کردہ ایم ما

اس قطعہ کو نواب[1] صدیق حسن خاں صاحب مرحوم نے اپنے تذکرہ موسومہ شمع انجمن میں درج

---

[1] نواب شیفتہ اور نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم سے خاص مراسم تھے جن کا ذکر خود نواب صدیق حسن خاں صاحب نے اپنے تذکرہ شمع انجمن میں نواب صاحب مرحوم کے تذکرہ میں کیا ہے وہ لکھتے ہیں "محرر سطور در زمانہ قیام شاہجہان آباد کہ قریب دو سال انجام یافتہ بود بہ تقریب طلب علم در دولت کدۂ ایشان پائے اقامت (بقیہ نوٹ صفحہ ۳۷ پر ملاحظہ ہو)

کیا ہے۔

دائرہ احباب

نواب صاحب کی ذات گوناگوں صفات کی جامع تھی۔ اہل امارت میں امیر تھے تو ارباب فقر میں فقیر، طبقۂ علما میں عالم تھے تو زمرۂ شعرا میں شاعر اور اہلِ ادب میں ادیب۔ اس لیے آپ کا دائرہ احباب بھی بہت وسیع تھا۔ بعض اصحاب ہم فنی کے لحاظ سے آپ کی ملاقات و دوستی کو موجب فخر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳) افسردہ تا بقید حیات بود بخط و کتابت یاد و شاد میفرمود ترغیب السالک الی احسن المسالک و تذکرہ گلشن بیخار و دیوان شعر فارسی و رسالہ [illegible] آوردہ تالیفات ایشاں باقی ست مسلک مذکور در سنہ ۱۲ھ از دہلی بہ ہدیہ نزد کاتب حروف فرستادہ و در سنہ ۱۲۷۳ھ بزمانہ برگشتگی افواج ہند ہرگاہ بتہمت غدر مبتلا شدہ بحبس افتاد محرر سطور بواسطہ بعض حکام سعی موفور در اخلاص بکار برد و حق تعالیٰ او را از آں عقوبت نجات بخشید خطی بمحرر سطور تحریر کرد کہ عبارتش بلفظہ این ست خط سامی کہ در زمان مبتلا بودن مخلص بہ بند بلا بنام صدر الصدور صاحب بہادر رسیدہ بود بر طبق آں صاحب ممدوح آنچناں مساعی جمیلہ و کوشش ہائے نبیلہ فرمودند کہ صورت نجات مخلص بظہور رسید اری مقتضائے محبت ہائے سامی ہمیں بود ایں احسان فراموش شدنی نیست اکنوں نجات صوری رو داد لیکن نجات معنوی باقی ست یعنی جائداد وغیرہ وجوہ معاش ہنوز مطلق واگذاشت نشدہ ایں مقدمہ ہم باجلاس صدر الصدور موصوف رسید پس ضرورت افتاد کہ بآنجناب اطلاع کنم تا بنام شان خط سفارش چنانکہ سابق نوشتہ اند ترقیم فرمایند تحریر ایں معنی کہ بظہور ایں امر شکر گزار سامی خواہم شد فضول ست کہ میان ما و شما گنجائش ہیچ امور نیست کہ یاد از بیگانگیہا میدہد و ظاہر ست کہ بار ایں منت بس عظیم خواہد بود مورخہ یکم شعبان سنہ ۱۲۷۶ ہجری انتہی چوں ایں خط آمد خطی دیگر بنام مومن علیخان صدر الصدور ساکن سندیلہ نوشتہ شد و بعنایت و مساعی بلیغ کوشش بسیار واگذاشت شد و الحمد للہ توفی رحمۃ اللہ تعالیٰ الخ"

سمجھتے تھے - بعض حضرات جو علم و فضل کے جوہر شناس تھے آپ سے رسم مودت
پیدا کرتے تھے - اربابِ طریقت بتقریب ہم مشربی آپ سے ملتے تھے - بعض
کے مراسم امارت و ثروت کے تعلقات سے وابستہ تھے - ان میں سے
بعض احباب کا ذکر جمیل موقعہ بموقعہ اُن حالات کے ضمن میں آیا ہے - اُن کے
علاوہ خاندان کمبوہاں سے بزرگان میرٹھ میں آپ کے احباب نواب
احمد اللہ خاں و منشی ممتاز علی خاں (اس نام کے دو بزرگ تھے) اور حافظ
عبدالکریم صاحب رئیس لال کرتی اور شیخ[5] محمد صاحب تھانوی تھے -

غدر ۱۸۵۷ء کے بعد سے نواب صاحب کے رہنے کا اتفاق زیادہ تر جہانگیر آباد
میں ہوتا تھا جہاں نہ دہلی کے سے علمی چرچے تھے نہ اہلِ کمال کا وہ جمگھٹا اس
لیے شعر و شاعری کا شغل بہت کم ہو گیا تھا اور در اصل جب سے زیارت حرمین
شریفین سے واپس آئے آپ کسی دوسرے ہی حال میں تھے چنانچہ فرماتے
ہیں ؎

[5] یہ مولوی شیخ محمد صاحب بڑے عالم زاہد اور صوفی مشرب بزرگ تھے تھانہ بھون ضلع
مظفر نگر میں اُن کا مسکن تھا۔

اے شیفتہ ہم جب سے کہ آئے ہیں حرم سے ✦ شوقِ صنم و خواہشِ صہبا نہیں رکھتے

بلکہ تذکرہ گلشن بیخار کے دیکھنے سے تو یہ پتا چلتا ہے کہ آپ نے سفر حجاز سے پہلے ہی اس شغل کو کم کر دیا تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں "چوں ربط باین فن از دیگر اشغال عالیہ و فنون شریفہ باز می دارد اکنوں دیرگاہ ست کہ سرو کارم نیست مگر بتحریک محفلیان گاہے از واردات جدیدہ اتفاق می افتد آں ہم بعد سالے نہ کہ ماہے"۔ مولانا حالی نے ضمیمہ کلیات نظم حالی میں جو دیباچہ لکھا ہے اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نواب صاحب اپنی زندگی کے آخر چند سال میں بھی کبھی کبھی فارسی میں فکر سخن کرتے تھے غالباً اس کا سبب مولانا حالی کی وہاں موجودگی ہوگی۔ مولانا مرحوم بوجہ تعلق ملازمت ۱۸۶۳ء سے نواب صاحب کے اخیر وقت تک وہاں رہے تھے۔ مولانا حالی سے یہ بھی نقل ہے کہ نواب صاحب اواخر ایّام میں خواجہ حافظ کی روش پر فکر سخن کرتے تھے۔

اولاد نواب محمد علی خاں جو ریاست رامپور میں ریونیو ممبر رہے ہیں اور لارڈ لینسڈون کے زمانہ میں امپیریل لیجسلیٹو کونسل کے ممبر بھی تھے فرزند اکبر تھے ۱۸۹۹ء میں راہی ملک عدم ہوئے۔

نواب نقشبند خاں دوسرے فرزند تھے ۱۸۷۷ء میں انتقال کیا۔ تیسرے

صاحبزادے نواب حاجی محمد اسحاق خاں صاحب ہیں جو علم دوستی اور مکارم اخلاق اور دین و دیانت و سخا و کرم میں اپنے والد بزرگوار کے صحیح جانشین ہیں صوبہ متحدہ میں ڈسٹرکٹ ججی کے عہدہ پر ممتاز رہے۔ چار سال تک مدار المہام ریاست رام پور بھی رہے۔ اور اب پنشن یاب ہو کر ایم اے او کالج علی گڑھ میں آنریری سکرٹری کی اہم خدمات انجام دے رہے ہیں خدائے تعالےٰ اُن کی ذات ستودہ صفات سے تا دیر قوم کو مستفید ہونے کا موقعہ عطا فرمائے ان کے علاوہ دو صاحبزادیاں تھیں جن کا انتقال ہو گیا ان کا عقد بھوپال میں نواب شاہجہان بیگم صاحبہ کے برادر خورد کے فرزندوں سے ہوا تھا۔

تصانیف و شاعری

اولاد کے ذکر کے بعد اب ہم آپ کی اولاد معنوی کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کی شاعری کی ابتدا سن شعور کے شروع ہونے کے ساتھ ہی ہو گئی تھی اُردو میں شیفتہ تخلص کرتے تھے اور فارسی میں حسرتی۔

دیوان ریختہ اکیس سال کی عمر میں مرتب فرما چکے تھے جو غدر ۱۸۵۷ء سے غالباً دو تین سال پہلے مطبع آئینہ سکندری میرٹھ میں چھاپا گیا تھا۔ ایک غزل کا مقطع بھی اس طرف اشارہ کرتا ہے ؎

اے شیفتہ اس فن میں ہوں اک پیر طریقت ✤ گو عمر ہے میری ابھی اکیس برس کی

فارسی اور اُردو دونوں میں حکیم مومن خاں صاحب مومن[۵] سے تلمذ تھا اور خان موصوف کی وفات کے بعد مرزا اسد اللہ خاں صاحب غالب سے مشورہ کرتے تھے۔

[۵] حکیم مومن خاں صاحب بھی نواب صاحب کی قابلیت سخن فہمی و سخن سنجی کی نہایت قدر فرماتے تھے۔ اکثر اوقات نواب صاحب ہی کی فرمایش سے فکر سخن کرتے تھے۔ اور اپنے کلام ریختہ کی تدوین بھی نواب صاحب ہی کو سپرد کی تھی۔ چنانچہ نواب صاحب نے تذکرہ گلشن بیخار میں جہاں حضرت مومن کا ذکر کیا ہے وہاں لکھا ہی "با ایں ہمہ صفات کہ مذکور شد بے تحریک محرکے بفکر سخن نمی پردازد۔ چنانچہ اکثر کلامش بخواہش داعی آثم صورت ظہور گرفتہ و ہم تدوین افکارش را فقیر باعث گشتہ۔ دیباچہ آنکہ ریختہ خامہ من ست در آں بتفصیل ایں ماجرا باز کردہ ام"
مومن نے تذکرہ گلشن بیخار پر ایک تقریظ لکھی ہی جس میں نواب صاحب کی مدح ایک رباعی میں اس طرح کرتے ہیں۔ رباعی

آں شیفتہ کز خرد گرامی باشد + سرخیل سخنوران نامی باشد
اکنوں کہ جسد نماند الّا بعدم + محمود ثنای و نظامی باشد

اور پھر نواب صاحب کی سخن فہمی کی داد اس طرح دی ہی۔

زتحسین او حسن معنی نیاز + ہزار آفریں بر چنیں امتیاز

مومن نے ایک معما باسم نواب مصطفےٰ خاں بہادر لکھا تھا جو دیوان مومن میں موجود ہی۔

نوا بلبل کی بے لبس کر رہی ہے + بہار اک جام سب جا بھر رہی ہے
صدا اسپے درد قمری کی بلا ہے + سر طاقت بھی جس کا نقش پا ہے
فلک کو کل نہیں ہے جور و بیداد + سر کو کیا ہو گو ہے فصل عذر داد
کہ وہ سرو خراماں پال نہیں ہے + سر ر اپنا تو اب امکان نہیں ہے
بہار سبز پا کے پاؤں ٹوٹیں + کہ درد بے حد حسرت سے چھوٹیں

نواب صاحب مرحوم اور مرزا سے جس زمانہ میں تعارف ہوا وہ زمانہ مرزا کی شاعری کے شباب کا نہ تھا جیسا کہ مرزا نے اپنے ایک خط میں جبکہ اُن سے اور نواب صاحب سے نئی نئی ملاقات ہوئی تھی نواب صاحب کی نسبت لکھا تھا "چوں دکان را کالا و زبان را حرف ہاے جگر آلا نماند روزگار گراں مایہ خریداری (یعنی نواب مصطفےٰ خاں) پدید آورد کہ نقد رائج سخن خود را بہ بہائے گفتار ناسرہ من میدہد و گوہر را بہ پلہ بیجاگی خزف می نہد" رفتہ رفتہ باہم نہایت خلوص و اتحاد ہو گیا تھا۔ چنانچہ وہ قصیدہ جو مرزا نے نواب صاحب کی شان میں لکھا ہے شاہد حال ہے اس میں سے چند شعر بطور تخلیص کے نقل کیے جاتے ہیں۔

آں ہماے تیز پروازم کہ بال * در ہواے مصطفےٰ خاں میزنم
غزنی و خاقانیش فرماں پذیر * سکہ در شیراز و شروان میزنم
او خرامد مست و من چاوش وار * بانگ بر احرام داراکان میزنم
گاشن کو یش گذرگاہ من ست * دوش در رفتن بہ رضوان میزنم
عندلیبِ خویش بدآموزِ من ست * دم ز نیاری می زنم ہاں میزنم
مہر ورزی بیں کہ باشم ہمنشیں * من کہ زانو پیش دریاں میزنم

بشنوید اے آنکہ یاد آں را برد ٭ نالہ گہ در کنج زنداں میزنم
بنگرید اے آنکہ کلک آنرا کشد ٭ نقش گہ بر صفحۂ جاں میزنم

مرثیہ اسنے ''مسدس چمن'' میں بھی ایک موقع پر لکھا ہے ؎

مصطفیٰ خاں کہ دریں واقعہ غم خوار من است ٭ گر بمیرم چہ غم از مرگ عزادار من است

کلام فارسی نواب صاحب کا فارسی کلام حمد تصوف حکمت اخلاق اور محبت کے اعلیٰ جذبات سے بھرا ہوا ہے اکثر مواقع پر غالب۔ مومن صہبائی جیسے ماہرین فن نے اُن کے کلام کی خوبیوں کا اعتراف کیا ہے۔ ہم نے اس سوانح عمری کے آخر میں اُن کے اردو اور فارسی کلام پر جو مختصر ریویو اور دیگر شعرا کے کلام سے اُس کا موازنہ کیا ہے خود ناظرین کو اُس کے مطالعہ سے حسرتی کے کلام کا پایہ معلوم ہو جائے گا۔

کلام ریختہ شیفتہ کا اُردو کلام بھی معمولی کلام نہیں ہے۔ گرمی اور لذت کے علاوہ جو اِن کے کلام میں خداداد ہے اس میں وہ شکوہ الفاظ اور چُستی ترکیب بھی پائی جاتی ہے جو کسی وقت سودا اور نصیر کا حصہ تھی اور ان کے کلام میں بندش الفاظ اور ترکیب کی روش کے لحاظ سے وہی خصوصیات موجود ہیں جن سے اُن کے اُستاد مومن اور غالب کا کلام مالامال ہے جس طرح غالب میر کی ادا اور [illegible]

مرتے تھے۔ شیفتہ بھی میر کی سادگی کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اپنے کلام میں میر کی سی روش پیدا کرنے کے آرزومند تھے فرمایا ہی ؎

نرالی سب سے ہی اپنی روش ای شیفتہ لیکن ✤ کبھی دل میں ہوائے شیوہ ہائے میر پھرتی ہے

اُن کے کلام کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہو گئے تھے۔ چنانچہ اپنے مقطع میں اُنھوں نے اپنی اُس کامیابی پر فخر کیا ہی۔ ؎

شیفتہ سادہ بیانی نے بہت چمکایا ✤ ورنہ صنعت میں بہت لوگ ہیں بہتر ہم سے

سادہ اشعار سے جن میں میر کی جھلک صاف نمایاں ہی شیفتہ کا دیوان بھرا پڑا ہی۔ مثلاً

شاید اسی کا نام محبت ہی شیفتہ ✤ اک آگ سی ہی سینہ کے اندر لگی ہوئی

مرنے کا مرے نہ ذکر کرنا ✤ قاصد وہ بہت الم کریں گے

دلّی میں تو شیفتہ ہی اُستاد ✤ ہم قصد سوئے عجم کریں گے

اظہار عشق اس سے نہ کرنا تھا شیفتہ ✤ یہ کیا کیا کہ دوست کو دشمن بنا دیا

دل لگانے کا ارادہ پھر ہی شاید شیفتہ ✤ ایسی حسرت سے جو ہی گزری ہوئی الفت کی یاد

ہائے وہ شیفتہ کی بیتابی ✤ تھام لینا وہ تیرے محمل کو

آخر میں متاخرین شعرا غالب۔ مومن۔ سالک۔ عارف۔ وغیرہ نے بھی یہ جدت شروع کی تھی کہ قدما کے سپید سے خیالات اور معمولی اسالیب کو لفظی اور معنوی تصرف کے ساتھ ایک نئے سانچے میں ڈھال دیتے تھے اس قسم کی جدت آفرینوں اور لطیف اور پاکیزہ تصرفات میں شیفتہ بھی اپنے استاد مومن خاں سے کچھ کم نہ تھے۔ ترکیبوں پر نظر ڈالی جائے تو وہ تراکیب جو مومن اور غالب کا خاص حصّہ تھیں سوائے شیفتہ کے کسی دوسرے کے یہاں مل ہی نہیں سکتیں مثلاً۔

فصل گل ہاتھ میکدہ کا ساز و ساماں چاہیے ✤ تو بہ ژولیدہ زیب طاق نسیاں چاہیے

جیتے ہیں اسقدر جو ادھر کی ہوا سے ہم ✤ واقف ہیں شیوۂ دل شورش ادا سے ہم

ای مرگ آکہ میری بھی رہجائے آبرو ✤ باندھا ہی سوگ اُس نے عدو کی وفات کا

سب سے بڑی خوبی یہ ہی کہ اُن کے کلام میں سنجیدگی اور متانت کوٹ کوٹ کر بھری ہے اور اُن کی شاعری میں تہذیب کے پہلو کو کسی موقع پر نظر انداز نہیں کیا گیا ہی۔ خلاصہ یہ ہی کہ شیفتہ اپنے وقت کے استاد تھے اور اُنھوں نے جو کچھ کہا خوب کہا خود ہی فرماتے ہیں ؎

طرز سخن کے وہ مسلّم ہے شیفتہ ✤ دعوی زبان سے نہ کیے پر بنی یا کیے

اس مختصر سوانح عمری کے ذیل میں شیفتہ کے کلام پر ریویو کی گنجائش نہیں نکل سکتی
اس لیے ہم اس سوانح عمری کے آخر میں اُن کے کلام پر ایک نظر ڈالکر تصوف،
پند و حکمت، حسن معانی، شوخی و ظرافت وغیرہ کی علحدہ علحدہ مثالیں ناظرین
کے سامنے پیش کریں گے جس سے وہ خود شیفتہ کی قادر الکلامی کا اندازہ
کر سکیں گے۔

رقعات فارسی | دیوان فارسی اور ریختہ کے علاوہ اس کلیات میں ہم نے
حضرت شیفتہ کے رقعات فارسی کو بھی شامل کر دیا ہے جس سے فارسی میں
اعلیٰ انشا پردازی اور بلاغت کا اظہار ہوتا ہے یہ مکاتیب جابجا تصوف سے مالامال
ہیں۔

گلشن بیخار | اس کلیات کے علاوہ ان کی ایک اور مبسوط تصنیف تذکرہ گلشن بیخار
ہے۔ جو اُن کے سفر حجاز سے پہلے مکمل ہو کر شائع ہو چکا تھا۔ یعنی سنہ ۱۲۴۸ ہجری
میں اس کی تصنیف شروع ہو کر سنہ ۱۲۵۰ھ میں ختم ہوئی اور وہ سنہ ۱۲۵۳ھ میں
چھپکر شائع ہوا۔ اس تذکرہ میں اُس زمانہ کے شعرا کا اُردو کلام جمع کیا گیا
ہے اور کلام سے پہلے ہر شاعر کا مختصر حال اور اُس کے کلام کی نسبت رائے
فارسی زبان میں لکھی ہے۔ اس زمانہ میں چونکہ اُردو کو یہ مرتبہ حاصل نہیں تھا

تھا کہ اہل علم اُس کے ذریعہ سے اپنے خیالات کا اظہار کریں اس لیے جملہ تصانیف حتیٰ کہ باہمی خط وکتابت کا کام بھی فارسی ہی سے لیا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ شیفتہ نے بھی اُردو تذکرہ میں شعرا کا حال لکھنے کے لیے فارسی زبان کو پسند کیا۔ شیفتہ کے زمانہ میں یا اُس کے قریب اور شعرا نے بھی تذکرے لکھے ہیں لیکن گلشنِ بیخار میں ایک خصوصیت نظر آتی ہے جو اوروں میں نہیں پائی جاتی وہ شعرا کے کلام پر آزادانہ نکتہ چینی ہے چونکہ اس سے پہلے لوگ تذکروں میں سوائے تعریف کے تنقید دیکھنے کے عادی نہ تھے اس لیے بعض شعرا کے معاصرین کو شیفتہ کی یہ طرز نہایت ناگوار گزری۔ نظیر اکبر آبادی کے ایک شاگرد نے یہاں تک کیا کہ تذکرہ گلشنِ بیخار کے جواب میں ایک نیا تذکرہ گلستانِ بیخزاں کے نام سے تصنیف کر ڈالا اور اُس میں یہ التزام کیا کہ نواب شیفتہ نے جن شعرا کے کلام کی نسبت اچھی رائے دی تھی اُنھوں نے اُن کی بُرائی لکھی اور شیفتہ نے جس کی نکتہ چینی کی تھی اُن کی تعریف کی۔ یعنی دن کو رات اور رات کو دن ثابت کرنے کی کوشش کی اور اب اس آخر زمانہ میں جبکہ فن تنقید سے ہماری زبان خاصی طرح روشناس ہو چکی ہے پروفیسر آزاد کے دلپر سیّد انشا کی نسبت شیفتہ کی آزادانہ رائے دیکھکر[۱]

---

[۱] پروفیسر آزاد کے الفاظ یہ ہیں "نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کا گلشنِ بیخار ہے ... دیکھتا ہوں (بقیہ نوٹ صفحہ ۴۵ پر دیکھو)

کٹار کا زخم لگا ہے شیفتہ نے اگر سیّد انشا کی نسبت یہ لکھدیا کہ۔

"دیوانے دارد مشتمل بر اصناف سخن و ہیچ صنف را بطریقۂ راسخہ شعر انگفتہ۔

اما در شوخی طبع و جودت ذہنی او شکے نیست"

تو کیا گناہ کیا۔ مولانا آزاد نے سیّد انشا کی وکالت کا حق ادا کرتے ہوئے دربار لکھنؤ کی حالت دکھا کر یہ ثابت کیا ہے کہ انشا ہزل گوئی پر مجبور تھے۔ گویا اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ انشا کا کلام مجبوریوں کی وجہ سے ایسا ہوتا تھا جو پائے اعتبار سے ساقط سمجھا جاتا تھا۔ آخر میں انھوں نے اپنی بات کو میاں بیتاب کا یہ قول لکھکر ختم کیا ہے "سید انشا کے فضل و کمال کو شاعری نے کھویا اور شاعری کو سعادت علی خاں کی مصاحبت نے ڈبویا" شیفتہ نے بھی تو یہی کہا ہے۔ کہ

"ہیچ صنف را بطریقۂ راسخہ شعر انگفتہ" اب رہی یہ بات کہ سیّد انشا نے دوسرے اساتذہ کے خلاف روش کیوں اختیار کی اس کے وجوہ لکھنے سے کلام کی نوعیت میں فرق نہیں آسکتا۔ اور اس لیے ایک بے لاگ تذکرہ

(۱) (پہ پوسٹ صفحہ ۲۱۳) تو فار، نہیں کٹار کا زخم دل پہ لگتا ہے (تذکرہ آب حیات صفحہ ۲۶۳)

نویس کو وجوہ کی تلاش میں سر کھپانے کی ضرورت نہ تھی۔ بہر حال تذکرہ گلشن بیخار کی بے لوث رائیں کسی خاص گروہ کی آنکھوں میں کھٹکیں لیکن وہ اپنی آزادانہ تنقید کی وجہ سے آج جبکہ اس کی اشاعت کو اسّی برس گذر چکے ہیں اسی وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے جس نظر سے اسے مرزا غالب[۵] جیسے شخص نے دیکھا تھا۔

بره آورد

اگر ہم نواب صاحب کے سفرنامہ حجاز کا ذکر نہ کریں جس کی مدد سے ہمیں آپ کی زندگی کے حالات معلوم ہوئے ہیں تو ناانصافی ہوگی یہ سفرنامہ موسومہ ترغیب السالک الی احسن المسالک یا "بره آورد" فارسی زبان میں

۵؎ نواب صاحب نے اپنے مراسم کے لحاظ سے اس تذکرہ کا مسودہ چھپنے سے پہلے مرزا غالب کے دیکھنے کے لیے بھیجا تھا اس کو دیکھکر مرزا صاحب نے نواب صاحب کو جو خط لکھا تھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے اسے کس قدر پسند کیا تھا۔ مرزا صاحب کے الفاظ یہ ہیں "تذکرہ ترتیب یافتہ و مجموعہ فراہم آمدہ کہ پیش طاق بلند نامے را نقش و نگار است و نہال نکو سرانجامی را برگ و بار" مرزا صاحب نے اس تذکرہ کی تقریظ بھی لکھی تھی جس کا اقتباس یہ ہے "ہمانا نواب ہمایوں آثار والاشان و خان فرہیدہ فرہنگ پسندیدہ گفتار آزادہ و ارگرامی دانش اندوز سخن گوی گرامی نہاد و مبارک نفس دولت مہر پیشہ و فاگو ہر نواب مصطفی خاں بہادر کہ گلبن خیالش نغمہ سنج بلبل است و چراغ فکرش پری پروانہ سخنش سرخوشی را بادہ بخشش و افسردگی را از ہر ملاہل زمش افسونا کردہ مہر و پیوست بال بہ آشوب گاہ رشک دشمن کاہ بہ فراہم آوردن تذکرہ ریختہ گویان قدسی انجمن پیرا آراستہ و از نادر پرو فیض ازل و حیات ابد نو آئین بخشے بدان بزم در افگندہ"

اس موقعہ پر مفتی صدر الدین صاحب کی تقریظ کا اقتباس بھی درج کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ ناظرین ان دونوں مشاہیر کی حالت کا اندازہ کرسکیں وہ لکھتے ہیں "و چگونہ چنیں نباشد کہ فراہم آوردہ سرآمد (بقیہ نوٹ صفحہ ۴۷ پر ملاحظہ ہو)

لکھا گیا ہے اس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب صاحب جس طرح فن سخن میں ید طولے رکھتے تھے اسی طرح وقائع نگاری کے انداز کو بھی خوب جانتے تھے آپ کا سفرنامہ کس اصول پر لکھا گیا ہے اس کا حال آپ کے اس فقرہ سے معلوم ہوتا ہے جو سفرنامہ مذکور میں ایک بزرگ کے حالات دوران میں آپ نے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۶) سخنوران معنی گستر انتخاب مجموعہ کمال وہنر شاہ بیت سفینہ قابلیت و استعداد بیت القصیدہ دیوان فضل و کمال خداداد فاتحہ صحیفہ کاملہ دولت و اقبال بسملہ نسخہ جامعہ محاسن شیم و مکارم خصال سواد خوان رموز و اسرار و سواد بیاض گزین فیض یافتگاں مبدا رفیاض نسیم جانفزائے گلشن سخن طرازی بشمیم نافہ کشائی گلہائے چمن نکتہ پردازی والا فطرت بلند ہمت پاک نہاد نیکو روش قدسی نژاد صفوۃ منش پاکیزہ طینت روشن ضمیر کامل فرہنگ عدیم النظیر فہم مجسم ادراک مشکل نواب مصطفیٰ خاں بہادر متخلص بشیفتہ است۔ لآلی منثور سخن طرازان را از نظم او پایہ بلند است و ریاحین منثور نکتہ پردازان را از فراہمی او پایہ ارجمند۔" حضرت مومن نے اس تذکرہ کی داد ایک قطعہ تاریخ لکھ کر دی تھی جو یہ ہے:۔

کیا تذکرہ شیفتہ نے لکھا — ہے شیفتہ جس کے جانِ معنے
یوں نکتہ شناس ہیں پر ایسا — کوئی نہیں قدردانِ معنے
افکار بلند سے بنایا — چرخ پہ آسمانِ معنے؟
ہر فقرۂ نثر جانِ مضموں — ہر شعر رواں روانِ معنے
کیا بات ہے منتخب کی تیری — اے منتخب جہانِ معنے
ہر لفظ انتخاب تیرا — خالِ رخ دلبرانِ معنے
تیرے جو سخن سے ہے سرافراز — الفاظ کا پایہ سانِ معنے
معنے ہیں ثنا طرازِ الفاظ — الفاظ ہیں مدح خوانِ معنے
اے تازہ بہار باغِ مضموں — اے گلشنِ بے خزانِ معنے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۸ پر ملاحظہ ہو)

تحریر فرمایا ہے "ایک کامل العقیدت صائب الرائے نے اُن کی خرق
عادت کی ایک نقل میرے سامنے بیان کی میں نے قصد کیا کہ اس کو لکھوں
لیکن چونکہ میری عادت میں عجائبات لکھنے میں بہت احتیاط ہے لہذا میری
طبیعت نے مجھکو لکھنے سے باز رکھا"

آخری زمانہ میں جبکہ اُن کے ہمعصروں کا شمار رفتہ رفتہ کم ہوتا چلا جاتا تھا آپ
نے عزلت گزینی اختیار کرلی تھی اور سوائے یاد الٰہی کے اور کچھ شغل نہ تھا اکثر
مزارات پر حاضری کا معمول تھا چنانچہ سبزی منڈی دہلی میں ایک بڑے
بزرگ کا مزار ہی جو حضرت شاہ آفاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے
قریب واقع ہے وہاں اکثر حاضر ہوا کرتے تھے اور حضرت شاہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۷)

ہی تذکرۂ ریاض فردوس ٭ فردوس ہے یا جنانِ معنے
مومن نے جب اسمیں دیر تک کی ٭ سیر گل و ضیمرانِ معنے
آیا ہی خیالِ سالِ اتمام ٭ تھا وہ بھی تو باغبانِ معنے
غنچہ کی طرح سے سر فرو تھا ٭ یک چند وہ ہمزبانِ معنے
جب نغمہ سرا نہو سکا وہ ٭ دستان زن داستانِ معنے
ہاتف نے کہا یہی اس کی تاریخ ٭ گلدستہ گلستانِ معنے
۱۲۵۰ ھ

باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی صاحب رحمۃ اللہ
علیہ اور حضرت شاہ نورالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزارات پر اکثر تشریف
لیجاتے تھے۔ یا دہلی کے مشہور علما سے صحبت رہتی تھی۔ دنیاوی معاملات
سے قطعی دلچسپی باقی نہیں رہی تھی تمام ریاست کا کام اپنے فرزند اکبر نواب محمد علیخاں
صاحب کے سپرد کر دیا تھا۔ ہندو روسار دہلی آپ سے نہایت خلوص رکھتے
تھے اور وہ آپ کو اپنے یہاں شادیوں میں باصرار بلاتے تھے لیکن جس وقت
آپ تشریف لیجاتے تھے تمام ناچ رنگ موقوف ہوجاتا تھا۔

معاصرین کی رائیں نواب صاحب اور مرزا کی فارسی دیوانوں میں بعض غزلیں
ایک ہی قافیہ ور دیف میں ملتی ہیں جن کے مقطعوں میں دونوں نے ایک
دوسرے کے کلام کی خوبیوں کا اعتراف کیا ہے۔ مثلاً نواب صاحب فرماتے
ہیں۔

ے حسرتی ! مپرس زغالب کہ از غزل ✤ آں کار می کند کہ بہ افسوں نہ کردہ کس

مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

غالب زحسرتی چہ سراید کہ در غزل ✤ چوں او تلاش معنی و مضمون نہ کردہ کس

سچ تو یہ ہے کہ مرزا غالب نواب حسرتی کی سخن فہمی و سخن سنجی کے اسقدر معتقد تھے

کہ ان کے نزدیک نواب ممدوح کے پسند شعرا کے حسن و قبح کے معیار بھی ہو مانے

ہیں۔ سے

غالب بہ فن گفتگو نازد بدیں ارزش کہ او ✦ ننوشت در دیوان غزل تا مصطفیٰ خاں خوش نہ کرد

مرزا غالب مرحوم کی پنج آہنگ میں اُن کے بعض رقعات[۵۱] ملتے ہیں جو اُنھوں نے

---

۵۱ حضرت سلامت۔ مرا کہ زبان درستایش بیقرار است و اندیشہ در سگالش گستاخ۔ امید کہ در آں پایہ بزمرہ خوشامد گویاں شمردہ نشوم وبدیں مایہ جرات بزہ مند نگردم۔ بنا میزد تذکرہ ترتیب یافتہ و مجموعہ فراہم آمدہ کہ پیش طاق بلند نامی را نقش و نگار است و نہال نکو سرانجامی را برگ و بار۔ رہرو نظر چوں بہ پیدا سے کنارِ نا پیدا سے ذوق سخن گام تماشا بردارد توشۂ بہ ازیں برکمر نتواند بست۔ خضر با انہمہ جگر تشنگی کہ سکندر داشت لبش بہ چشمہ آبی تر نتوانست کرد و آں آب از دریا بخشیدن بود۔ شما گروہی را از دور و نزدیک سخن زندگانی جاوید بخشید ید و ایں لختی از عمر بکار دیگراں کردن ست جاوداں زندہ باشید کہ سخن گویاں از شما زندہ جاوید شدند و ہمکنا نرا بہ نکوئی نام برآمد یارب ہمگی گفتن و ہمہ گوہر بن نگشتن۔ نامہ در ردیف الف بنگارش اشعار پرویں نثار حضرت آزردہ از چہ روست ہرچند ذکر خدام بہ چنیں مقام در جریدہ ایں فن نہ سزاوار شان فضیلت باشد لیکن اگر بمقتضائے فرط محبت جرائی بکار میرفت گناہی نبود و در تلافی آں بپوزش نیاز نمی افتاد و ہم در ردیف الف درباب گذارش حال حضرت آشوب فرو ماندہ کشاکش خیالم یعنی بدالنست نامہ نگار آشوب از اعیان سادات ایں دیار و نامش میر امداد علی و نام پدرش میر روشن علی خاں ست و دریں نسخہ بامداد علی بیگ مذکور شدہ چشم آں دارم کہ اندریں ہر دو باب بدل نشیں پاسخ نشاط اندوز شم

(رقعہ دیگر بقیہ نوٹ میں صفحہ ۵۱ پر ملاحظہ ہو)

نواب صاحب مرحوم کے نام لکھے تھے ان خطوط میں نواب حسرتی کی شاعری اور سخن سنجی کے متعلق مرزا نے اپنے دلچسپ ریمارک دیے ہیں علاوہ ازیں

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۰) "بنواب مصطفےٰ خاں بہادر۔

فرد - ہر دم ز فرط ذوق تسلی نمی شوم ✤ یارب کجا بہم لب خنجر ستائی را

سخنگاہے کہ ملم اند در دشانہ چنانکہ مومن ہمہ پیشہ از رنج ہمسایہ در آزار باشد بیقرار بود و ستم از اشکم بیتابی دل رعشہ دار فرخندہ سر وشی از در در آمد و بسپردن بہار سامان نامہ گل بجیب تمنا بہ بخت ہر چند نامہ سپاس امید را کیمیا و دیدہ جان را توتیا آورد و تارک اقبال را افسر و پیکر آرزو را زیور بخشید۔ لیکن از انجا کہ آں قدسی مفاد صفحہ از شعر و غزل چوں نامۂ اعمال زاہد از ذکر می و شاہد سادہ بود دل سود ازدہ بداں نیاسود و خمارم بداں یک دو جرعہ صہبا نشکست گفتم ہی ہی بمژدۂ دیدارے کہ دل بہ نشاط آں تواں بستن و نہ کرشمۂ غزلی کہ لب بزمزمۂ آں تواں کشودن۔ ہر چند در ازنفسے خواہش در آغاز حال بخروشم آوردہ بود و میخواست کہ خواہی نخواہی غبار نالہ بہ پردۂ گوش الہام نیوش نشاند۔ اما دور اندیشی فطرت با خودم در ستیزہ افگند و پس از اں کہ بر افتادن پردہ از روے کار و آشکار اگشتن راز نارسائی فہم و ناتمامی دانش من بہ ہم نقصان خاطر نشان من شد۔ مرا از آہنگ عربدہ باز آورد و مہر خموشی بردہان نہادــــ".................. (رقعہ دیگر)

ولی نعمت طوطیان شکر خا سلامت۔ ہنوز گل افشانی گلبن التفات شش جہت را بہ غالیہ بیزی بوئے گل فراگرفتہ بود یعنی نشاط ورود بہاریں صحیفہ از دل بدر نرفتہ بود کہ نخل برومند لفظ افشاندن بار آغاز کرد و رسیدن ہشت سبد انبہ در روضہائے فردوس بردی آرزو باز کرد نہے انبہ ہائے پاکیزہ شیریں از بروں سو بشیر شستہ و از دروں سو بشکر انباشتہ بتازگی آب از چشمۂ خضر و با دا از دم مسیح خوردہ و بشیرینی گوے از شکر و دل از خسرو بردہ بہ پاکیزگی گوہر آب روے (بقیہ نوٹ صفحہ ۵۲ پر ملاحظہ ہو)

ان خطوط سے نواب صاحب ممدوح کی زندگی کے متعلق بھی بعض حالات پر

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۱) خانوادہ ابر وہوا - دبہ دلاویزی پیکرچشم وچراغ دودہ برگ ونوا برنہیاں تا ازیں گراں ارز ثمر دست مزد عرق ریزی سعی بجست دفتر از حساب زیاں زندگیہای روزگار گہر سازی نتوانست شست انگور اگر در بستگی دانستی کہ آب کشتن وبادہ ناکشتن دیگر است وچاشنی خدا آفرید این شیرۂ پاک دیگر ہرگز آب نخوردی وبار بنیاوردی تا دریں ساختگی ہر دم در دسر ندادی نیشکر اگر در آغاز کار وا رسیدی کہ بگونہ گون فشار در آمدن وبسعی دیگراں بصورت تنگ شکر برآمدن دیگر است وگوارائی ازل آوردہ - ایں میوہ نغز دیگر ہرگز سر از خاک برنگردی وبا نداندہ درازی بالائے خویش بخاک فرو رفتی تا دریں نموداری بابلہی انگشت نما نشدی اینچہ خامہ شکر فشاں بداں رفتہ کہ ازیں ثمرہائے ببسرش یک نیمہ پختہ ونیمہ دیگر ہنوز خام است سبحان اللہ اگر میوۂ طوبی در پختگی بدیں رنگ ودر خامی ایں چنیں غالیہ فام است مضامین کہ بہشتیان بباده طہور نگرایند وسبز پوشان آں روضہ نتوانند کہ دل از ہیچکس بربایند - گفتم اینچہ بہ پختگی زرد گردیدہ کرشمہ کارسازی عنایت است کہ کار بے نوایان بفروا گزاشت واینچہ پیش از رسیدن رسیدہ اشارہ بجز گرمی ذوق است کہ درنگ در دلجوئی روا نداشت - دل گفت ہما نا اینچہ بہ پختگی زرد گردد نہایت شوق است کہ من بداں خرسندم وخورسندی من فراوان باد واینچہ پیش از رسیدن رسد مژدۂ وصل ست کہ من بداں آرزو مندم ودوست مرا بر زباں باد فقط" .... (رقعہ دیگر)

نامہ بنام نواب محمد مصطفےٰ خاں بہادر - جان را از تن سپاس وخواجہ را از بندہ نیایش - روز دوشنبہ چوں شب شد بزم سخن آراستند ازاں روکہ غزل نگفتہ بودم از شرم تہیدستی پیر در پیش داشتم ورفتن بانجمن مضمونی بود کہ ہرگز بخاطر نمی گزشت والاجاہ نواب ضیاء الدین خاں سلمہ اللہ تعالےٰ دو فرشتہ بر من گماشتہ زین العابدین خاں عارف وغلام حسن خاں مجبوعنی ایں ہر دو ابرام پیشہ شام گاہ بخلوت کدۂ تنہائی من آمدند وفیل آوردند وبداں ساں کہ شیر را چوں شکار کنند بر فیل بار کنند مرا بانجمن بردند - دیدار مخدوم ومعظم وصدر اعظم مولوی صدر الدین خاں بہادر تلافی رنج راہ کرد بارے صرفہ رہروان دراں بود کہ مولانا صہبائی قدم رنجہ نفرمودہ بودند غزل مولانا صہبائی در زمین طرحی دو سہ بیت دلنشین داشت بالجملہ چوں غزلخوانی سر آمد گمہا نم نمی آید در بحر ہزج مثمن سالم کردند از یاران مبتدہ میرزا زین العابدین خاں عارف وجواہر سنگھ جوہر در زمین طرح دو غزل خواندہ (بقیہ نوٹ صفحہ ۵۳ پر ملاحظہ ہو)

روشنی پڑتی ہے۔ سرسید احمد خاں[۱] مرحوم نے اپنی کتاب آثار الصنادید میں جہاں

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۲) نقش نغز گوئی بکرسی نشاندند۔ من بغزلی کہ ہمدراں روز گفتہ بودم زمزمہ سرائے آمدم۔ غزل۔

صبح شد خیز کہ روداد اثر بنمائیم ٭ چہرہ آغشتہ بخونابِ جگر بنمائیم فقط

نامہ نگار اسد اللہ نگاشتہ پنجشنبہ بست و سوم مارچ ہنگام نماز عصر کہ ابر قطرہ فشاں بود و ہوا تگرگ بار فقط

امید گاہا۔ دی آدینہ روز بود و لوید بزم سامعہ افروز۔ شامگاہ ہماں دو شیخ سروش از در در آمدند و مرا

با انجمن بردند۔ میر نظام الدین ممنون و مولوی امام بخش صہبائی چوں رنجور بودند نیامدند کس بخدمت حضرت

آزردہ فرستادہ شد اگرچہ دیر آمدند اما آمدند۔ دلم را صفا و زبانم را نوا بخشیدند۔ بندہ را در زمین گلستن نگار سخن

قصیدہ اتفاق افتادہ بود۔ آں می سنجیدم کہ ورق را چوں برات نامقبول باز برم ریختہ گویان را در دسر

ندہم۔ از آمدن حضرت آزردہ دل بخود بالید و زبان بزمزمہ دستوری یافت سحابی نیز ناخواندہ حاضر بود در

زمین گلستن غزلی انشا کردہ۔ چوں قصیدہ مرا شنود خجل شد و از گفتہ خود لختی خواندہ درگذشت۔ امروز در

بند آں بودم کہ قصیدہ بر ورقے بنویسم بہ پرستاران در دولتکدہ فرستم تا بہ نیمروز فرصت نگارش دست بہم

نداد ہنگام نماز پیشین بود کہ سحابی و فتاح باہم آمدند آنرا اگر بہ در آستیں و این را گلدستہ در دست برید

فرخندہ نامہ بمن سپرد و رفت و ابر باریدن آغاز کرد ابر قطرہ می ریخت و من آرزوے نامہ گہر سنجیدم تا اینکہ کلبہ

ام از آب و دامنم از گوہر نایاب پر شد زہے غزل و خوشا غزل پایہ ایں زمین را بآسمان بردہ اند و سخن

را بنوازش زمینیان از آسمان فرود آوردہ سخن سرودن حق شماست اگر آبروے ستودن داشتہ باشیم بر

خود نازمی توانیم کرد نہ زیادہ زیادہ فقط"

رشک طالب و فخر غالب سلامت۔ قصیدہ گلستن با آنکہ از دلم فغان رسیدہ و از زبانم بدر تراویدہ و ہمچناں

در دل جا دارد۔ بمشاہدہ غزلی کہ امروز بمن رسید ہم از دل رفت و ہم از نظر افتاد۔ زہے غزل و خوشا غزل

اگرچہ نارسا بیان و کج مج زبانم۔ اما اگر ہر بیت را جداگانہ بیک قصیدہ (بقیہ نوٹ صفحہ ۵۴ پر ملاحظہ ہو)

[۱] سرسید مرحوم سے اور نواب صاحب سے ہمیشہ دوستانہ مراسم رہے علیگڑھ میں جب سائنٹفک سوسائٹی کی بنیاد سرسید نے رکھی تھی تو نواب صاحب بھی اس کے ممبر ہوئے تھے۔

شعرائے دہلی کا ذکر کیا ہی - نواب صاحب کا کلام بھی لکھا ہی اور ان کی ثنا و صفت

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۳) ستایم بتوانم آہ ازین مقطع وداد - ازین مقطع زبان ستایش این مقطع کراست با آنکہ در سخن
ہوا خواہ و آفرین گوی شماستم مرا بر شما بر شک آورد و جاودان مانید کہ پیکر سخن را جانید - درین مشاعرہ کہ گذشت
خاک زمین گیر من غبار چشم ریختہ گویان نگشت - غزل خود یک ہفتہ پیش از روز غزلخوانی گفتہ - بخدمت حضرت
آزردہ دام لقاءہ فرستادہ ام و سرآں داشتم کہ چوں بنامہ کامیاب گردم و آنرا پاسخ نگار شوم در نگارش
ہماں غزل سرمایۂ من باشد امروز کہ اولا نامہ رسید ہمیں دم بپاسخ نگاری نشستم و تا ورق بپایان نرسید
نان نخورم ÷ فرد - دیدم آں ہنگامہ ہیجا خوف محشر داشتم ÷ خود ہماں شور است کاندر زیست در سر داشتم والسلام"
(رقعہ دیگر نظم)
تا آں خواجۂ بے پروا ÷ من بندہ کہ غم ناکم ÷ وز غصہ جگر چاکم ÷ خواہم سخنی گفتن ÷ آں روز کہ میرفتند ÷ آں نامہ فرستادند
کز دیدن آں خوں شد ÷ دل تا جگر از اندوہ ÷ گفتم چہ کنم غالب ÷ چوں کار دگرگوں شد ÷ می بایدم اینک
رفت ÷ تا عذر سخن خواہم ÷ چوں گرد و غباری بود ÷ رفتن نتوانستم ÷ امروز بشام آمد ÷ لا بلکہ سیہ تر شد
سر ماندہ بہ بالین بر ÷ چوں غم زدگاں خفتم ÷ ہی ہی چہ توان خفت - آں خستہ کہ غم خوارش - بر زخم نمک
پاشد ÷ وز دیدہ بیدارش ÷ شورابہ رواں باشد - چوں از افق شرقی ÷ خورشید درخشندہ ÷
ناگاہ سری بر زد ÷ آتش بجہاں در زد ÷ مرغ سحری پر زد ÷ رفتم بجگر کاوی ÷ واں راز نہانی را ÷
از دل بزبان دادم ÷ در خلوت تنہای ÷ بے پردہ چو ہمرازاں ÷ لَے آمد و ہمدم شد ÷ چندانکہ دم
اندر نی ÷ از مہر دمیدم من ÷ چوں من بنوا آمد ÷ واں نالہ کہ بر لب بود ÷ از باطن نے سر زد ÷ آندم
کہ نفس باقی ÷ زیں گونہ کشاکش کرد ÷ یک کاغذ نانوشتہ ÷ بود است بدستم در ÷ چوں نالہ نمودی وا ÷ بنشستن
زاں شعلہ کہ دوری داشت ÷ بر صفحہ نشانہا ماند ÷ گفتم مگر این صفحہ ÷ غمنامۂ رازستی ÷ فہرست نیازستی ÷
باید کہ فرو پیچم ÷ وانگہ نہ لث ان ہندی ÷ نزی خواجہ رواں سازم ÷ کوتاہ کنم گفتن ÷ آں نامہ کہ من گفتم ÷ حجاب دربارالا
بردند و رواں کردند ÷ ہر چند در اندیشہ ÷ پیداست کہ خوش باشد ÷ با خواجگی استغنا - با ایں ہمہ خوش
بنود ÷ پوزش نہ پذیرفتن ÷ دیروز سحرگاہاں ÷ روشن گہر آں نیّر ÷ کش روح ورواں دانم ÷ بل خوشتر از ال
دانم ÷ دیوان نظامی را ÷ آورد بسوئے من ÷ زیں گونہ نوا ہا بود ÷ در پردۂ گفتارش - کز ذوق بہنجارش ÷ ایں
زمزمہ سر کردم ÷ والا گہر اکبر خاں خوانند سلام از من" فقط - (ماخوذ از پنج آہنگ غالب)

ہیں جو نثر لکھی ہی وہ اگرچہ مبالغہ شاعرانہ سے پُر اور خیالات کی بلند پروازی سے مملو ہی لیکن چونکہ وہ اگلے وقتوں کی اُردو زبان کا نمونہ ہی اور اس طرز کی اُردو میں غالباً سرسید کی یہ سب سے آخری تصنیف ہے اس لیے تبرکاً اس کا وہ اقتباس جو نواب صاحب کے متعلق ہے درج ذیل کرتے ہیں۔

"باوجود نازونعم وثروت کے مشق سخن کو اس مرتبہ پر پہنچایا ہی کہ قلم تردد سے نہیں آسودہ ہوتا اور فکر تلاش سے بلبل کی سجع خوانی اور قمری کی فصیح بیانی اُنھیں کی نستعلیق گوئی سے مستفاد ہی۔ یہ پایہ فصاحت کا اور سرمایہ بلاغت کا خداداد ہی۔ اگر رنگینی مضامین کی گل کو رنگ۔ اور لطافت عبارت کے گوہر کو آب نہ دے۔ بلبل کا عشق کامل اور تاج سلاطین کی زینت تمام نہ ہو۔ انتخاب اُن کے کلام بلاغت نظام کا اس مقام پر سرمایۂ فرحت اربابِ نظر ہی۔"

تذکرہ شعرائے ہند میں جو مولوی کریم الدین مرحوم نے ۱۲۶۲ھ ہجری میں تالیف کیا تھا نواب صاحب کا ذکر الفاظ ذیل میں کیا گیا ہی:۔

"شیفتہ تخلص نواب مصطفٰے خاں خلف الصدق عظیم الدولہ سرفراز الملک

نواب مرتضےٰ خاں بہادر کا ہی - یہ صاحب ذکی و ذہین ہیں - امرائے شاہجہان آباد سے بڑے امیر ہیں - شاگرد حکیم مومن خاں کے اکثر اشعار ان کے بہت اچھے ہوتے ہیں - ایک تذکرہ گلشن بیخار انھوں نے شعرائے اردو کا اس طور پر لکھا ہے کہ حال سب شاعروں کا فارسی میں شعر اُس کے اردو میں -

یہ تذکرہ ۱۲۵۰ھ ہجری میں تیار ہوا تھا - وہ دفعہ مولوی محمد باقر کے چھاپہ خانہ میں چھپ چکا ہے - ایک دیوان بھی اُن کا میں نے سُنا ہی کہ تیار ہوا ہی "

تذکرہ گلستانِ سخن میں جو مولانا امام بخش صہبائی کے شاگرد شہزادہ مرزا قادر بخش صاحب کی تالیف سے ہی - نواب صاحب کا حال اس طرح لکھا گیا ہے -

بہ درویشی ثنائے مصطفےٰ خاں میکنی آرے ✤ خوشامد گو نہ تار وحشمت درمیاں بینی

علوم رسمی سے کما ینبغی آگاہ - اور فنون متداولہ میں کامل دستگاہ - اصناف سخن میں قدرت تمام - اور فنون شتّٰی میں مہارت تام کمال مرتبہ شناسی ہر سخن اپنے موقع میں اور ہر نکتہ اپنے مکان میں جلوہ گر جس طرح تیغ ہندی

ریختہ شاہدان شنگول کے غمزہ سے زیادہ تر ناخن بدل زن ہی۔ اسی طرح
بادہ شیراز فارسی خوبان سیاہ مست کی چشم سے زیادہ تر خمار شکن ہی اور جیسے اُس تیغ آبدار
کے سلح شور اس شہسوار ہنر کو شیفتہ نام سے مشہور کرتے ہیں۔ اس بادۂ صاف کے سرمست اُس مے
گسار کمال کو حسرتی کے اسم سے مذکور کرتے ہیں۔ جو کثرتِ اوصاف مہر دہاں اور وفور محامد
بندزبان ہی۔ ناگزیر نظر بر اوصاف اور ذکر مدائح سے تحریر افکار گوہر نثار پر قناعت
کرتا ہوں۔

وفات ۱۸۶۹ء میں جبکہ عمر گرامی کا تریسٹھواں مرحلہ تھا آپ کا وصال ہوا اور دہلی میں
حضرت سلطان المشائخ مولانا سید نظام الدین محبوب الٰہی بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کے جوار میں
اپنے جد امجد کے مزار کے قریب دفن ہوئے۔ ذیابیطس کا مرض پہلے سے تھا وقت آخر
ہاتھ میں ایک کالا دانہ نکلا تھا وہی موت کا بہانہ ہوا۔ اپنا کفن بیت اللہ شریف
سے ہمراہ لائے تھے اُسی میں کفنائے گئے۔ وفات کے دن جس روز سفر آخرت
درپیش تھا اعزا علاج میں مصروف تھے ڈاکٹر نے ایک نسخہ تجویز کیا جس میں پورٹ وائن
شامل تھی جس وقت یہ نسخہ لکھا جا رہا تھا نواب صاحب نے فوراً ہی آنکھ کھولی اور حاضرین
سے کہا کہ میری روح کو اس وقت بڑا صدمہ ہو رہا ہی۔ سچ بتاؤ کیا معاملہ ہی؟ اس پر
صاحبزادہ محمد علیخاں صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ہم سے ایک گستاخی ہوئی ہی یعنی

ایک ایسا نسخہ لکھوایا گیا ہے جس میں پوٹ وائن شامل ہے فرمایا کہ "الحمد للہ! وقت پر اطلاع ہو گئی۔ اور موقعہ نہ ملا کہ اس نسخہ کا استعمال کیا جائے" اور یہ بھی فرمایا کہ تم اللہ کا شکر کرنا کہ اُس نے آخری وقت میں تمہارے باپ کو گمراہی سے بچالیا۔ کہ اُسے اپنی صحت کے لیے احکام شرعی کی خلاف ورزی کا موقعہ نہ ملا"

آپکی وفات[1] کی تاریخ کلام پاک (سورۂ دہر) کی اس آیت سے برآمد ہوتی ہے۔

"وجزاھم بما صبروا جنۃ وحریرا" یہ مادہ تاریخ مولانا حالی مرحوم و مغفور نے اسی زمانہ میں نکالا تھا جو آپ کے مزار مبارک پر کندہ ہے۔ فقط خاکسار

نظامی بدایونی

۲۲۔ نومبر ۱۹۱۵ء

---

[1] آپ کی وفات کے متعلق دیگر و قطعات تاریخ ہمیں مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی پانی پتی مدظلہ سے ملے ہیں جو یہ ہیں۔

(از جناب خواجہ کرامت علی صاحب مرحوم انصاری پانی پتی)

چو رفت از جہاں مصطفٰے خاں امیر ❊ کہ بود اصل پاکیزہ و پاک فرع
خداوند تقویٰ خداوند زہد ❊ فقیر آشنا سالک راہ شرع
شد از فوت آں بے سرو پا تمام ❊ وقار ۔ کریم ۔ بذل و ۔ تقویٰ و ۔ ورع
۲۰۰ ۱۰۶ ۶۰۰ ۴۰۰ ۸۰

سنہ ۱۲۸۶ھ

(از جناب خواجہ امداد حسین صاحب مرحوم تخلص بہ مظہر پانی پتی)

چوں رئیس ابن رئیس نامدار ❊ کرد رحلت زیں جہان بے بقا
سال تاریخ وفاتش فی البدیہہ ❊ ملہم غیبی بمن کردہ عطا
کز سر رازی بباید گفت ایں ❊ رحمت حق بر محمد مصطفٰے

سنہ ۱۲۸۶ھ

کلام ریختہ پر ایک نظر

نواب صاحب کا دیوان ریختہ محض غزلیات کا ایک مختصر مجموعہ ہی اصناف نظم میں سے کوئی اور صنف اس میں نہیں ہی اس کی وجہ یہ ہی کہ آپ نے ریختہ کو اپنا خاص فن نہیں بنایا تھا کہ ہر صنف پر توجہ فرماتے - جو کچھ کہا گیا ہے صحبت احباب کا نتیجہ اور عہد شباب کا تحفہ ہی - جب سے حلقۂ صوفیہ باصفا میں داخل ہوئے تو اشغال و افکار باطنی نے فکر سخن سے دل سرد کر دیا اور اس فن کو تضیع اوقات کا موجب سمجھنے لگے - اثنائے غزل میں کہیں کہیں قطعہ بند اشعار بھی آگئے ہیں ان میں سے دو قطعے یہاں ہیں جن سے بیان کی وسعت ظاہر ہوتی ہی اور سلسلۂ سخن ایسا مربوط ہے کہ جب تک نتیجہ نہیں سن لیتا سامع کی توجہ قائم رہتی ہی -

(۱)

کہا کل میں نے اے سرمایۂ ناز — تلوّن سے بھی تمکو مدّعا کیا

کبھی مجھپر عتاب بے سبب کیوں — کبھی بے وجہ غیروں سے وفا کیا

کبھی محفل میں وہ بے باکیاں کیوں — کبھی خلوت میں یہ شرم و حیا کیا

کبھی تمکین صولت آفریں کیوں — کبھی الطاف جرأت آزما کیا

کبھی وہ طعنہ ہائے جاں گزا کیوں | کبھی یہ غمزہ ہائے جاں فزا کیا
کبھی شعروں سے میرے نغمہ سازی | کبھی کہنا کہ یہ تم نے کہا کیا
کبھی بے جرم یہ آزردہ ہونا | کہ کیا تقصیر جو پوچھوں میں خطا کیا
کبھی اس دشمنی پر بہر تسکیں | پئے ہم جلوہ ہائے دل ربا کیا
یہ سب طے کل اُس نے سُن کر بے تکلف | جواب اک مختصر مجھکو دیا کیا
ابھی اے شیفتہ واقف نہیں تم | کہ باتیں عشق میں ہوتی ہیں کیا کیا

(۲)

ساقی کو میکدہ میں سر ناؤ نوش ہی | صوفی کو خانقہ میں سر وجد و حال ہی
عاشق کو اضطراب ہی عجز و نیاز سے | معشوق کو غرور ہی غنج و دلال ہی
منظور ہی حکیم کو ہر شی کی معرفت | حالانکہ اپنی معرفت اُس کو محال ہی
ہر کام فلسفی کا سفاہت کے ساتھ ہی | ہر بات منطقی کی مراد جدال ہی
ارباب حکمتِ نظری کو عمل نہیں | اہلِ کلام کو ہوسِ قیل و قال ہی
جن کو کہ دست گاہ ہی فنِ نجوم میں | عمر ان کی صرف زائچہ ماہ و سال ہی
ہیں بعض لوگ در پئے اسراف رات دن | بعضوں کو روز و شب سرِ توفیر مال ہی

بعضوں کو ہے مذاق میں فخرِ نسب لذیذ
بعضوں کو ذوق دعوئ فضل و کمال ہے

مفلس کو فکر ہے کہ کسی ڈھب سے کچھ ملے
منعم غریق لجۂ بیم و زوال ہے

جو ہیں حریص سیرِ چمن ان کو بزم میں
ذکرِ شجر کبھی کبھی فکرِ نہال ہے

جی میں کسی کے خواہشِ آرایشِ لباس
دل میں کسی کے حسرتِ جاہ جلال ہے

کوئی طلب میں اشہبِ گلگوں نظیر کی
کوئی اسیرِ شوقِ شکارِ غزال ہے

کوئی فدائے قامتِ آفت خرام ہے
کوئی خرابِ نرگسِ جادو مثال ہے

ناحق کسی کو شکر کسی کو شکایتیں
بے وجہ کوئی خوش ہے کسی کو ملال ہے

کس واسطے ہم آئے ہیں دنیا میں شیفتہ
اس کا جو دیکھیے تو بہت کم خیال ہے

طرز مومن خانی

اگرچہ حضرت شیفتہ کو کلام ریختہ میں مومن خاں مرحوم سے نسبت تلمذ تھی لیکن انداز سخن میں اُستاد کے مقلد نہیں ہیں بلکہ ایک طرز خاص رکھتے ہیں چنانچہ خود فرماتے ہیں ؎

نرالی سب سے ہے اے شیفتہ اپنی روش لیکن
کبھی دل میں ہوائے شیوہ ہائے میر پھرتی ہے

پھر بھی اُستاد کی روشِ خاص میں جو کچھ فرمایا ہے وہاں دونوں کے کلام میں فرق

دشوار ہی۔

شبِ ہجرِ زلف یہ ہی ہے تو وحشتِ دل نے
کب انتظار کیا موسمِ بہار چمن کا

یکتا کسی کو ہم نے نہ دیکھا جہان میں
طولِ امل جواب ہے زلفِ دراز کا

آپ جو ہنستے رہے شب بزم میں
جان کو دشمن کی میں رو یا کیا

یاں سباحت ملاو اں گراں عرضِ نیاز
سخت جاں میں کب نہ تھا اور نازنیں تو کب نہ تھا

اُن سے نازک کو کہاں گرمیٔ صحبت کی تاب
بس کلیجا نہ پکا اے طمعِ خام اپنا

اپنے جوار میں ہمیں مسکن بنا دیا
دشمن کو اور دوست نے دشمن بنا دیا

دامن تک اس کے ہائے نہ پہنچا کبھی وہ ہات
جس ہات نے کہ جیب کو دامن بنا دیا

لگتی نہیں پلک سے پلک جو تمام شب
ہی ایک شعبدہ مژۂ نیم باز کا

کب ہمیں حاجتِ پرہیز پڑی
غم نہ کھایا تھا کہ سم یاد آیا

اُس سے ہیں شکوہ کی جا شکر ستم کر آیا
کیا کروں تھا مرے دل میں سو زباں پر آیا

نہ دیا ہاے مجھے لذتِ آزار نے چین
دل ہوا رنج سے خالی بھی تو جی بھر آیا

وہ صبح جلوہ جلوہ گر باغ تھا جو رات
مرغِ سحر نے دھوم مچائی تمام شب

میرے آنے سے تم اُٹھ جاتے ہو
بزمِ دشمن میں نہ آؤں کیوں کر

زندگانی سے خفا ہوں اپنی
پھر کہو تم کو سناؤں کیوں کر

وضع حفظ ہی تو عشرتِ صحبت معلوم
رنگیں ہی بیگنا ہوں کے خون سے سوادِ شہر

بزمِ اغیار سے کم محفلِ احباب نہیں
حالانکہ واں ہنوز سرِ امتحاں نہیں

ہر چند کہ ہی آپ سے ملنے کی تمنّا
بے عذر وہ کر لیتے ہیں وعدہ یہ سمجھ کر

پر آپ سے ملنے کی تمنا نہیں رکھتے
یہ اہلِ مروّت ہیں تقاضا نہ کریں گے

کہا کہ تنگ ہوں اتنی بھی بدگمانی سے
کہا جو ڈر ہی تجھے ایسی مہربانی سے

تصوف

تصوف بھی مضامین غزل کا ایک دلاویز عنصر ہے - بعض شعرا اس مضمون میں تقلیداً و رسماً طبع آزمائی کرتے ہیں - لیکن حضرت شیفتہ کا یہ خاص مشرب ہی اور اس باب میں جو کچھ فرمایا ہی اُس سے رنگ تحقیق تراوش کرتا ہی غالباً کوئی غزل مضامین تصوف سے خالی نہیں - اُس میں سے چند شعر اس موقع پر ہدیہ ناظرین ہیں -

پیمانِ ترک جاہ لیا پیرِ دہر نے
وہ طرفہ حال کہ جس سے جماد رقص کرے

پیمانہ دے کے بادۂ عنبر شمیم کا
نہ رنگ ہی متغیر ہوا اہلِ تمکین[۵۱] کا

[۵۱] صوفیہ کرام کی اصطلاح میں اہلِ تمکین وہ ہیں کہ ایک حال پر قائم ہو جاتے ہیں اور اہلِ تلوین وہ ہیں جن کی حالت واردات کے موافق متغیر ہو جاتی ہے - ۱۲

تیرے گدا کو سلطنتِ جم سے کیا کہ ذوق
ہے کاسۂ شکستہ میں جامِ دو نیم کا

یاں خار و خس کو بے ادبی سے نہ دیکھنا
ہاں عالمِ شہود ہے آئینہ ذات کا

کہاں پھر وہ نایاب پایا جسے
غلط شوق ہے جنسِ نایاب کا

کل نغمہ گر جو مطربِ جادو ترانہ تھا
ہوش و حواس عقل و خرد کا پتا نہ تھا

کل شیفتہ سحر کو عجب حال خوش میں تھے
آنکھوں میں نشہ اور لبوں پر ترانہ تھا

وجد کو زمزمۂ مرغِ سحر کافی ہے
شیفتہ نازِ مغنی و مزامیر نہ کھینچ

جو بات میکدے میں ہے اک اک زبان پہ
افسوس مدرسے میں ہے بالکل نہاں ہنوز

میکدہ یا میخانہ سے حلقہ مردان خدا مراد ہوتا ہے اور میکش سے سالک اور مے و بادہ سے کیفیات قلبی - ١٢

اکثر ہوا ہے مجھکو سفر در وطن مگر
لایا نہ دوستوں کے لیے ارمغاں ہنوز

اک شب ہوا تھا جلوہ نما چرخ پر وہ ماہ
مدہوش ہیں ملائکۂ آسماں ہنوز

اس شعر میں لفظاً کوئی صراحت نہیں لیکن حقیقت میں یہ نعت ہے رسول کریم صلعم کی - ١٢

میخانہ میں تمام جوانی بسر ہوئی
لیکن ملا نہ منصبِ پیرِ مغاں ہنوز

اے تابِ برق تھوڑی سی تکلیف اور بھی
کچھ رہ گئے ہیں خار و خسِ آشیاں ہنوز

برق سے تجلیات جلال و جمال مراد ہیں اور خار و خس سے تعلقات کونی - ١٢

عبث ہے شیفتہ ہر اک سے پوچھتے پھرنا
ملے گا بادہ کشوں سے نشان بادہ فروش

وجد میں لائے اہلِ درد ہمیں
باد کے ساتھ خاک ہے رقاص

قسمت اُس کی خبر نہو جس کو
عام اس دور میں ہے بادۂ خاص

اہلِ طریق کی بھی روش سب سے ہے الگ
جتنا زیادہ شغل زیادہ فراغ بال

پیرِ مغاں کے فیض توجہ سے شیفتہ
اکثر شراب پیتے ہیں روحانیوں میں ہم

کچھ درد ہے مطربوں کی لَے میں
کچھ آگ بھری ہوئی ہے نَے میں

بدمست جہان ہو رہا ہے
ہے یار کی بو ہر ایک شے میں

میخانہ نشیں قدم نہ رکھیں
بزم جم بارگاہ کَے میں

مطرب بدیع نغمہ و ساقی پری جمال
کیا شرح حالتِ دلِ درد آشنا کروں

ڈر ہے کہ ہو نہ شوق مزامیر شیفتہ
ورنہ کبھی سماع مجرد سنا کروں

جام مے دے کہ وہاں کام پڑا ہے مجھکو
کہ صبا کو بھی جہاں دخل سفارت میں نہیں

ہم ہیں ایسے فراخ رو درویش
محفلِ بادشہ سے عار نہیں

ہر شغل میں اہم ہے نگہبانیِ نفس
اس سے سوا جہان میں شغلِ اہم نہیں

واقفِ اسرارِ معانی سے
جز حریفانِ بادہ خوار نہیں

ہم آئے ہیں جہاں سے اسی کا خیال ہے
جز شاخ سدرہ ہم کو سرِ آشیاں نہیں

قطع نظر جو نقش و نگار جہاں سے ہو
دیکھو وہ آنکھ سے جو نہ دیکھا ہو خواب میں

اُس صوت جاں نواز کا ثانی بنا نہیں
کیا ڈھونڈھتے ہو بربط و عود و رباب میں

پائی ہی بوسے دوست عنادل نے باغ میں
پروانوں پہ ہوئی ہی تجلّی چراغ میں

حجاب منظرِ مقصود ہی طلسم خودی
جو یہ طلسم نہ ٹوٹے تو فتح باب نہ ہو

بہت ہی دھوم مچاتے ہیں میکدے میں رند
مجھے یہ ڈر ہی کہیں مدرسہ خراب نہ ہو

صدق و صفا و مہر و وفا واں نہ ڈھونڈھنا
جس شہر و دیکھیں کہ سرائے مغاں نہ ہو

اے مرگ آ کہ میری بھی رہ جائے آبرو
باندھا ہی اُس نے سوگ عدو کی وفات کا

کیا وہ متاع جس کے نہ ہو کوئی گھات میں
ڈرتا ہوں میں جو زد پس کاروان نہ ہو

نغمہ پہ درد ہی شورش سے افاقت معلوم
بادہ پُر زور ہی کیا نشہ کی شدت معلوم

جو کہ ہوا محو تجلّی ذات
خاکِ در اُس شخص کی اکسیر ہے

شیفتہ وہ کہ جس نے ساری عمر
دینداری و پارسائی کی

آخر [illegible]می پرست ہوا
شان ہی اُس کی کبریائی کی

راز پوشیدہ پوچھیے کس سے
سنئے خبر ہی جو با خبر کچھ ہی

پند و حکمت

حضرت شیفتہ کے کلام میں پند و حکمت کا عنصر بھی پایا جاتا ہے اور یہ قدما کی روش ہے۔

تم کو نہیں جو عُجب لتجب ہے شیفتہ
ہوئی زمانہ نیا یہ سرشت کرام میں

نفس سرکش کی کسی ڈھب سے رعونت کم ہو
چاہتا ہوں وہ صنم جس میں محبت کم ہو

ہنر کی حرص پر انسان ہوا ہے مجبول
ناصحو! دوست اگر ہو تو نصیحت کم ہو

یہ ہے نصیحتِ پیرانِ کار اُفتادہ
کہ بد بلا ہے جدائی ڈرو جدائی سے

اپنا ٹوٹا گھر بہت مرغوب ہے
بارگاہِ ثابت و سیّار سے

واعظ کے قول خوب ہیں نہ دیکھے فعل عجب
وہ اُس سے سیکھ لیجیے یہ اُن کو سکھائیے

فعلِ حکیم عین صلاح و صواب ہے
ساقی اگر شراب نہ دے سرگراں نہ ہو

اُردو کے ساتھ عربی جملوں کو نظم کرنے کی قدرت

حضرت شیفتہ چونکہ عربی فارسی اور ریختہ تینوں زبانوں میں قدرت سخن گوئی رکھتے تھے۔ اس لیے کلام ریختہ میں کہیں کہیں عربی جملوں کی تضمین نہایت پُر لطف واقع ہوئی ہے اس روش میں بالکل خواجہ حافظ سے مماثلت پیدا ہو گئی۔ اور بعض

غزلوں میں برسم شعرائے عرب محض قافیہ پر قناعت کی ہی۔

کیا مزا تم سے آشنائی کا	بیت	ما شئتم مدامتہ الاخلاص
شیفتہ نے ہماری داد نہ دی	//	سچ ہی القاص لایحب القاص
کیا کچھ وہاں سے منزلِ مقصود پاس ہی	//	یا ایہا الذین سکنتم علی الجبال
ہم اگلے عشق والوں کی تقلید کیوں کریں؟	//	اے خردہ گیر نحن رجالٌ وہم رجال

حُسنِ معانی

ضوابط نظم اور قواعد شعر سے بالاتر ایک حسن یا معنی اور تاثیر مخفی ایسی ہوتی ہے جس کا لطف وجدان صحیح و ذوق سلیم ہی پاسکتا ہی۔ ایسے اشعار بھی حضرت ممدوح کے کلام میں جستہ جستہ نظر آتے ہیں۔

سنے فائدہ ہی وہ ہم کہ کیوں بے خبر آیا؟		اس راہ سے جاتا تھا ہمارے بھی گھر آیا
اپنی محفل سے یہ آزردہ اُٹھایا مجھکو		کہ منانے کے لیے آپ مرے گھر آیا
وہ مجھسے خفا ہی تو اُسے یہ بھی ہی زیبا		پر شیفتہ میں اُس سے خفا ہو نہیں سکتا
میں بے جرم رہتا ہوں خائف کہ واں		جفا میں نہیں دخل اسباب کا
صحرا بنا رہا ہی وہ افسوس شہر کو		صحرا کو جس کے جلوہ نے گلشن بنا دیا

مشاطہ کا قصور سہی سب بناؤ میں ۔۔۔ اس لئے ہی کیا نگہ کو بھی پُرفن بنا دیا

کھیل نہیں کچھ کہ دکھا دوں تمہیں ۔۔۔ فرض کیا آہ میں تاثیر ہے

تکلیف شیفتہ ہوئی تم کو مگر حضور! ۔۔۔ اس وقت اتفاق سے ہیں وہ عتاب میں

اُس نوبہارِ حسن کو بدنام مت کرو ۔۔۔ تھی شیفتہ کے پہلے ہی شورش دماغ میں

دھوکا مجھی کو صرف نہیں میلِ یار کا ۔۔۔ دیکھا بڑے بڑوں کو اسی اشتباہ میں

کہوں میں کیا کہ کیا دردِ نہاں ہے؟ ۔۔۔ تمہارے پوچھنے ہی سے عیاں ہے

پہلا مصرعہ ایک معمولی بات ہے مگر دوسرے مصرعہ نے اُس کا رتبہ بہت ہی بلند کر دیا ہے۔ یعنی تمہارا پوچھنا ہی دردِ نہاں کی حقیقت کا ثبوت ہے۔ ۱۲

ہم سے وہ ناحق جو خفا ہو گئے ۔۔۔ شیفتہ کچھ اپنی ہی تقصیر ہے

بھڑک گئی نمِ شبنم سے اور آتشِ گل ۔۔۔ یہ کیسی آگ ہے دونی ہوئی جو پانی سے؟

اُن کی باتیں اُس نے بھی چھپ کر سنیں ۔۔۔ آج ناصح کو نصیحت ہو گئی!

شوخی و ظرافت

نواب صاحب کی طبیعت میں متانت و سنجیدگی کا مادہ زیادہ تھا۔ اس لیے شاعرانہ شوخی و ظرافت ان کے کلام میں کم پائی جاتی ہے۔ پھر بھی جو کچھ ہے

نہایت خوب ہے۔

وہ شیفتہ کہ دھوم تھی حضرت کے زہد کی — میں کیا کہوں کہ رات مجھے کس کے گھر ملے

جلد سنگواؤ شراب گل رنگ — شیفتہ ساقیِ گل فام آیا

پانی وضو کو لاؤ رخِ شمع زرد ہے — مینا اٹھاؤ وقت اب آیا نماز کا

اس شعر میں محض شاعرانہ شوخی ہی نہیں بلکہ ایک پہلو تصوف کا بھی ہے یعنی مینا سے وہ اذکار و اشغال مراد ہیں جو سالکان طریقت کے ذوق و شوق و وجدان کو بڑھاتے ہیں اور ان اشغال کا وقت قبل نماز صبح ہے۔

ہم طالبِ شہرت ہیں ہمیں ننگ سے کیا کام — بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا

کبھی تھی حالت رندی میں اس کو کیا یاد؟ — کوئی یہ پوچھے کہ کیوں شیفتہ بنا واعظ؟

رند فارغ بھی ہوئے جام سحر گاہی سے — اور زاہد ابھی آہنگِ طہارت میں نہیں

پارسا کیا ہوئے تم شیفتہ سادے بھی ہوئے — باغ کو چلتے ہو اور ساتھ مئے ناب نہیں

پیری میں سیر باغ کی تقریب شیفتہ — معشوقہ ساتھ ہے نہ خلل ہے دماغ میں

شیفتہ اک رند مشرب شخص ہے — کس سے لوگوں کو عقیدت ہو گئی

شیفتہ وہ کہ جس نے ساری عمر — دینداری و پارسائی کی

آخر کار مے پرست ہوا — شان ہے اس کی کبریائی کی

جس لب کے غیر بوسہ لیں اُس لب سے شیفتہ — کمبخت گالیاں بھی نہیں تیرے واسطے

اس قطعہ میں منشائے شوخیِ محض لفظ می پرست ہی جس سے صوفیہ کی اصطلاح میں کیفیاتِ باطنی کا ذوق وشوق مقصود ہی۔ ۱۲

محاورہ بندی

بعض شعرا کے اشعار کی بنیا محض محاورات پر ہوتی ہی اگرچہ نواب صاحب کا شیوہ خاص معاملہ بندی ہی لیکن جہاں کہیں محاورات و امثال کو باندھا ہے اس کی بندش بے تکلف اور بامزا ہی۔

نہ دیا ہائے مجھے لذّتِ آزار نے چین — دل ہوا رنج سے خالی بھی تو جی بھر آیا

آپ جو ہنستے رہے شب بزم میں — جان کو دشمن کی میں رو دیا کیا

میں کمینِ تو بہ ہوں آپ لیکن کیا کروں — منہ میں بھر آتا ہی پانی۔ جام مینا دیکھ کر

ہی شمع انجمن وہ مہ آتشیں عذار — گھی کے جلیں گے آج تو دشمن کے گھر چراغ

بلبل کو بھی نہیں ہی دماغ صدائے گل — بگڑی ہی تیرے دور میں ایسی ہوائے گل

چراغ وقت محبت نے کر دیا افسوس — کہ مجھ کو اپنے پرائے سبھی جلاتے ہیں یار

بوسۂ لب نہ مانگنا اے دل — منہ لگاتا ہے کون سائل کو ر

غیر سے کب ہوا ہی ترک کلام	باتیں تم ہم سے بھی بنانے لگے؟
ڈوب مرنے کی جگہ ہی غسل صحت ہجر ہیں	روئے دیتا ہوں احبا کی مبارکباد سے
کیوں کر مجھے خط رقم کریں گے	کیا غیر کا سر قلم کریں گے
ذکر وصال غیر و شب ماہ و بادہ سے	ایسے لیے گئے۔ ہمیں طعنے دیا کیے
منہ بنائے مجھے اس کو سے گزر کرتا ہی	اتنا تو غیر بھی دل میں مرے گھر کرتا ہی
ناصح تری زبان ترے بس میں چپ نہو	انصاف کر کہ دل پہ مرا زور کیا چلے؟

دیوان فارسی ایک نظر

اس دیوان میں سات قصیدے ہیں متعدد قطعے اور باقی تمام تر غزلیات ہیں۔ ان سات قصیدوں میں سے چھ قصیدے نعت سرور کائنات میں ہیں اور ایک جناب علی مرتضےٰ کی منقبت میں۔

نواب صاحب نے امرا و ملوک کی مداحی کبھی نہیں کی۔ نہ ان کی طبیعت کے مناسب تھی۔ قصیدہ کا جو انداز رائج ہوگیا ہی وہ حقیقت میں بھٹئی ہے۔ نواب صاحب جیسے دیندار۔ صوفی منش۔ کی شان سے بعید تھا کہ شاعری کے اس میدان میں طبع آزمائی کرتے۔ نہ ان کو صلہ کی حاجت تھی نہ شاہ و

امرا کی حضور میں رسوخ کی پروا۔ سیر و سلوک باطن نے نام و نمود کی ہوس بھی مٹا دی تھی۔ لہذا اس صنف پر قلم نہ اُٹھانا بالکل بجا تھا۔

قصیدہ اول

گہ سر بہ آشتی و مدارا بر آورم
پرخاش از سکندر و دارا بر آورم

از قید نہ رواقِ نگاریں بر آورم
یوسف ز ہفت کاخِ زلیخا بر آورم

اول بآبِ چشمہ کوثر وضو کنم
وانگہ نفس بنعتِ مرسلےؐ بر آورم

قصیدہ دوم

رستم از ہجر و بمنزل گہِ جاناں رفتم
جانبِ گل کدہ از دشتِ مغیلاں رفتم

نورِ من شمعِ رہِ خضر شد اندر ظلمات
گر شبِ تار بسر چشمۂ حیواں رفتم

خود ندانی اثرِ فیض مرا ارشاد ست
کہ بہم پائیِ دل ناصیہ سایاں رفتم

آں بدریائے رسالت گہرِ یکدانہ
کہ ز فیضش نہ بدریوزۂ عماں رفتم

مطلع قصیدہ سوم

کارے بحسبِ خواہشِ دل در جہاں مخواہ | تغییرِ رسمِ کہنۂ ہفت آسماں مخواہ

مطلع قصیدۂ چہارم

اے در حسد بہ بزمِ تو از ساغر آفتاب | با آنکہ اشرف ست ز مہر اختر آفتاب

مطلع قصیدۂ پنجم

زیں بعد ما و در غمِ دل ناگریستن | گشت آشنائے نرگسِ شہلا گریستن

مطلع قصیدۂ ششم

نسیمِ صبح آمد سوے من از ساحتِ گلشن | پر از ریحان و گل جیب آستین از لالہ و سوسن

مطلع قصیدۂ ہفتم

دوشش کاں رشکِ ماہِ کنعانی | ہم چو خور کرد پرتو افشانی

بحرِ جود و کرم علی کہ کفش | در فشاند چو ابرِ نیسانی

غزلوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام میں سلاست، روانی۔ سنجیدگی۔ بندش کی چستی مشق و مہارت کا نتیجہ اور شیرینی و لطافت خداداد ہے معنوی نزاکت اور اسلوب بیان کی تازگی آپ کی فکر سلیم کا خاصہ ہے۔

افسوس ہے کہ اس زمانہ میں زبان فارسی کی کساد بازاری ہوگئی۔ ورنہ حسرتی کے دیوان کی قدر و شہرت اساتذہ ماضی کے دواوین سے غالباً کم نہوتی۔

بعض غزلوں کے مقطعے اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ نواب صاحب کو نظیری کی روش بہت پسند تھی چنانچہ کہتے ہیں ؎

جز حسرتی بپایۂ او کس نمیرسد　　　　در حیرتم کہ کار نظیری کجا رسید

نظیری متاخرین میں غزل کا استاد مانا گیا ہے اور اُس کا کلام معنوی نزاکتوں کے لیے مسلم ہے۔

مولانا حالی مرحوم فرماتے تھے کہ اواخر عمر میں نواب صاحب کو فکر سخن کا اتفاق ہوتا تو خواجہ حافظ کی روش پر کہتے تھے۔ لیکن افسوس ہے کہ یہ آخری کلام دیوان میں داخل نہیں ہوا۔

زیادہ حصہ نواب صاحب کے کلام کا صوفیانہ خیالات سے پُر ہے اور یہی آپ کا مشرب خاص تھا۔ عاشقانہ اشعار جو غزل کی اصل بنیاد ہیں ان میں بھی تصوف کا پہلو اکثر

اکثر نمایاں ہے بعض اشعار حکمت و موعظت یا اخلاق سے متعلق ہیں۔ البتہ شوخی و ظرافت کا مضمون شاذ ہے۔

بعض غزلوں میں ایک دو شعر صوفیانہ و عاشقانہ مذاق کے ایسے بھی ملتے ہیں جو مطالعہ کرنے والے کے دل پر وجد کی کیفیت پیدا کرتے ہیں۔ اور حقیقت میں یہی شاعری کا اعجاز ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار مثال کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں جن کے مطالعہ سے ناظرین یہ اندازہ کر سکیں گے کہ حسرتؔ اپنے جذبات اور خیالات کو نظم فارسی میں ظاہر کرنے پر اسی طرح قادر تھے جس طرح ریختہ میں فرماتے ہیں:—

اے فیضِ تو بکشودہ زباں ما بہ بیاں ہا	۱	حمدِ تو فرو بستہ۔ بیاں ہا بزباں ہا
در پردہ چو بودی ہمہ در کتمِ عدم بود	=	اشباح منور شدہ از لمعۂ جاں ہا
در دہر جز خرابات جائے دگر نیابی	۲	آنجا کہ خندہ آید بر بادشہ گدا را
بجز امید کہ ایمانِ عشق کیشان ست	۳	کسے نداد تسلی۔ دلِ زلیخا را
مرید پیرِ مغاں شو۔ کہ از اطاعتِ او	۴	گزیر نیست۔ جوانانِ بادہ پیما را
وی سوختہ ایں سخنِ نغز بمن گفت	=	کز آتشِ دل خشک کنی دامنِ تر را
خندہ چہ خوش شیوہ ایست از پسِ خشم و عتاب	۵	لذتِ دیگر دہد زخم نمک سود را

خلوت خوش است ساقی و مطرب نہ بزم را	تصوف	از گل پیالہ خواہ و ز بلبل ترانہ را
آں اسپ سادہ رُخاں را تکلف آئین است	حقیقت نگاری	گر نیست ز آرایش لباس مرا
بہ آبروئے محبت نگر کہ بنشاند	=	فرازِ مسند دیبا - بایں پلاس مرا
امشب کہ تکلفے نہ کردم	=	مہ ہست چراغ محفلِ ما
از رفتنِ ہر دوست شد آخر	=	کاشانۂ غیر - منزلِ ما

	ہر کس کہ قتیل غمزہ اش شد ای حسرتی ! اوست قاتلِ ما

یہاں رشک و رقابت کا مضمون نہایت عمدہ الفاظ میں ادا ہوا ہے دوسرے معنے مذاق صوفیہ میں یہ ہو سکتے ہیں کہ "مقتول غمزۂ دوست ہی میرا قاتل ہو سکتا ہے - یعنی اہل فنا ہی مرتبہ اہل فنا میں پہنچا سکتے ہیں -

"اقتلونی اقتلونی - یا ثقاۃ
ان فی قتلی حیاۃ فی حیاۃ"

ما حسرتی ! ز شیوۂ غالب گرفتہ ایم	تعلّی	آمیختن بہ بادۂ صافی - گلاب را
وہ کہ ز ما رہ وا نشد - کارِ کسے بزندگی	حسن تخیل	کاش بہ بند بعدِ مرگ - بہرہ ز سنگ خشت ما
چشم از ہزار نازِ تو پوشد کسے چرا	فلسفۂ عشق	دل را بیک کرشمہ فروشد کسے چرا

رحم ست بر کسے کہ دراں کوے می رود
در دست نامۂ من و بر لب سلامِ ما
[illegible]

مصرع اول	شاعر	مصرع دوم
ملک پیکارِ دشمن را بسویش التجا آرد	[illegible]	اگر پیند جراحت ہائے مژگانِ دراز ش را
ای بیخبر چہ فائدہ؟ از استراق سمع	[illegible]	بے حرف وصوت نیز بیاید خبر مرا
رازِ نہفتہ گفتم اگر ساقیا! مرنج	=	می گفتمت کہ بادہ مدہ ایں قدر مرا
ز لالہ دیدنِ لالہ گرت ہواست بخواب	[illegible]	بہار قدرتِ صانع چو دیدن ست مخسپ
دور نبود اگر آں مرد سبکتاز رسد	[illegible]	کہ سرآمدرہ و پندا شت کہ آغاز رہے ہست
آنچہ خواہند و بیابند - نخواہند آنرا	=	این سخن شمۂ از ہمتِ درویشان ست
پوشیدہ خورم بادۂ و آہمہ کنم وجد	=	در اہلِ خرابات رہ و رسمِ ریا نیست
گر بامِ بلند است - کمندِ دگر آور	[illegible]	واماندگی از سعی روا نیست روا نیست
در چارۂ او کوش کہ دیوانہ است امروز	[illegible]	از نکہتِ گل بوے ترا باز ندانست

یہ مضمون نہایت لطیف و تازہ ہے کہ عاشق دیوانہ بوے گل و بوئے یار میں تمیز نہیں کرتا۔

مصرع اول	شاعر	مصرع دوم
	=	
از بیمِ تو شب حسرتی نالہ نمی کرد	[illegible]	زیں گونہ صداہا - کہ کس آواز ندانست
چشمِ وصل ست کہ می میرم و نتوانم مرد	=	پاسِ راز ست کہ می سوزم و نتوانم سوخت

ذوقِ اینہمہ از خویش بُردنم آورد [illegible] می سرایند کہ دل دادہ و دلدایکی است

اضطراب و گرافزود۔ دلِ شیدا را = التفاتِ تو کہ ما نا بکارا رسے ہست

یعنی اہلِ عشق و محبت حصول مراد و مقصد سے نہایت خائف رہتے ہیں اور اسکو وادی عشق کے عقبات سے سمجھتے ہیں۔

مشاطہ را بگو کہ بہ بزمِ ہوس رود [illegible] در چشمِ عشق زلفِ تو بے شانہ خوشتر است

یعنی ناظرین مناظر حسن و قدرت عاشق زار اور مصنوعی خوبیوں کے دلدادہ ہوس کار ہیں۔

کُشت او مرا و ہیچ شنیدی چگونہ کشت؟	[illegible]	زاں پیشتر کہ تیغ کشد۔ خوں بہا گرفت
نگاہ کافرش غارتگر اُفتاد	=	مسلمانانِ غمِ ایماں ضرور است
کارِ ہمت نہ باندازۂ طاقت باشد	[illegible]	مرغِ بسمل شدہ را ہم سرِ پروازے ہست
دمِ جاں پرورِ او ہر چہ کہ دارد دانم	=	از ادب گرچہ نگویم کہ اعجازے ہست
دُردی کشاں چو سوئے خرابات رو کنند	=	اوّل بآبِ چشمۂ حیواں۔ وضو کنند
صد پردہ۔ بروے دوست بستند	=	زان جملہ۔ یکے۔ جمال باشد
جُز من بہ مانِ قتل۔ بقاتل دعا کہ کرد؟	=	گو مزد سہل بود۔ ولیکن ادا کہ کرد؟
پہلوے غیر بہ بزمش کنم جائے کہ نیست	[illegible]	چشم آنم کہ نگاہِ غلط انداز کند

فریاد ز تقوے کہ بنزوش نتواں رفت	عاشقانہ	آہ! از روشِ او کہ سرِ بام ندارد
فتنہ را از قدِ رعنائے تو امداد رسد	=	چرخ را از نگہتِ نسخہ بیداد رسد
طبعِ چالاکِ ترا می بسرِ خشم آورد	=	آہ! زاں لحظہ کہ آتش بکفِ باد رسد

گر بہستی آں بہاراں - جلوہ گل یاد آورد

داغِ غمے گل گردد و - بلبل بفریاد آورد

خدایا! حشر برپا کن - ہنگامے کہ عاشق را

بدل حسرت - بگردن دشنہ - برلب آفریں باشد

قطعہ

حسرتی! ایں تازہ گل باشد نثارِ دوستی

بو کہ مارا از نسیم کوئے خود یاد آورد

غالب آں رنگیں نوا بلبل کہ ذوقِ نغمہ اش

عندلیبانِ گلستاں را - بفریاد آورد

میفروشد رائگاں در کوچۂ پیرِ مغاں

ہر متاعے را کہ دل از کوئے زہاد آورد

روزِ وصال ناز بمعشوقہ می کنم — آرے چنیں کند کہ بدولت گدا رسد

یہاں منتہائے عشق سے خبر دی ہے کہ حبیب عاشق درجۂ محبوبیت پر فائز ہو جاتا ہے۔

جز حسرتی بپایۂ او ہیچ نمی رسد		در حیرتم کہ کار نظیری کجا رسد؟
بیا و طاعتِ مقبول را ابیعنا بر		خلل بکار دعا ہائے مستجاب انداز
گرت ہواست کہ چوں حسرتی نوا سنجی		بزیرِ شاخ گلے۔ در قدح شراب انداز
چو یادِ دوست کنی۔ غیر را فراش کن		چو نامِ عشق بری از سرِ شاں برخیز
براں سرم کہ زہر نیک و بد کنارہ کنم		خورم شراب و رخ نیکواں نظارہ کنم
بتِ ہوائے مرا شیخ صومعہ بشکست		بیا کہ خدمتِ رندِ شراب خوارہ کنم

رند۔ اصطلاح صوفیہ میں ارباب فقر و فنا کو کہتے ہیں۔

شوق صد منصور را در جلوہ گاہ یار برد	تشبیہ	ما ہماں در بندِ فالِ سبحہ صد دانہ ایم
حسرتی! عشق مجازی را حقیقی کردہ ایم	؍؍	یا ہوا نا آشنا و از ہوس بیگانہ ایم
بازم از رشک میاز ار کہ در محفلِ تو	؍؍	خویش را دوش بصد حیلہ و فن آوردم
مرا بخشید و گاہے جز بدی نیکی ندید از من	[illegible]	نمیدانم۔ کدا میں جرم اید و برگزید از من
از پیش من رود بشتابی کہ فی المثل	تشبیہ	یوسف ز ہفت کاخ زلیخا بر آمدہ

از مُردنِ خود نیست غم۔ امّا غم اینست — تصوف — گویند کہ معشوقِ تو اعجاز ندانست

اگرچہ جسمانی! از اہلِ زہد و پرہیزم — = — ولے ز شاہد و مے نیز احترازم نیست

از پئے صیدِ تو۔ صد دام بہر جائے ہست — عاشقانہ — جرمِ من چیست؟ مرا نیز تمنائے ہست

سحری بود طلب وعدہ واثق فرمود — = — می شناسد کہ کرا حاجتِ تقاضائے ہست

جائے من تنگ۔ بہر جا ز رسوائی من — تصوف — جز خرابات کہ آنجا ہمہ را جائے ہست

مجلس ارباب فقر سے مراد ہے

قطعہ

ضیمے۔ صبح برآمد بتفرجِ ز گلشت — تصوف — لبِ ہر قیمت من اُفتاد گذارے بسر کشت

گفتمش کیستی؟ اینجا بچہ کار آمدہ — اے رخ و طرۂ تو سنبل و ریحان بہشت

گفت۔ وارم سخنی چند بپرسش درخور — خوب ورو ہر چہ آمدہ کمتر از زشت؟

گفتم۔ این سرِ ملوکست۔ بدیہا مگر اے — گفت سنجیدہ شمر وی سخن ای نیک سرشت

گفت۔ رمزے است خرد سوز کہ دارد بیتاب — الہٰہا بہ شہرِ بار او جگرِ خستہ برشت

برسر مورِ ضعیف اینہمہ بار از چہ نہاد؟ — گفتمش نہ آنکہ دلِ خود بمحبت بسرشت

گفت من ہم سخنِ نادرہ گفتن خواہم — گرچہ طبعِ تو بگیتی سخنِ لغز بہشت

لطفِ او ہمین و کافر نگزارد محروم — پرتو رو بہ حرم۔ نکہت گیسو بہ کنشت

دوش این طرفہ غزل خاطرِ من انشا کرد
حسرتی خامہ و آمد طلبید و بنوشت

مقابلہ و موازنہ کلامِ حسرتی - با کلامِ شعرائے دیگر

حسرتی

روے تو بسکہ بود پیشِ نظر ہر ساعت
می تواں دید مثالِ تو در آئینۂ ما

از پئے جلوۂ شوخی کہ پری عاجز اوست
شوقِ شوخیِ پری داشتہ در سینۂ ما

داغِ صہباے ریا - رونقِ پشمینۂ ما
مے در آدینہ بہ از طاعتِ آدینۂ ما

در حریمِ دلِ اصحابِ صفا - جا داریم
وائے آنکس کہ بود در دلِ او کینۂ ما

کار ساقی و مغنّی ہمہ می کرد - حبیب
حسرتی بود چہ خوش صحبتِ دوشینۂ ما

غالب

محو کن نقشِ دوئی از ورقِ سینۂ ما
اے ز آہت الفِ صیقلِ آئینۂ ما

وقفِ تاراجِ غمِ تست - چہ پیدا چہ نہاں
ہیچو رنگ از رخِ ما رفت - دل از سینۂ ما

عرصہ بر الفتِ اغیار چہ تنگ آمدہ است
خوش فرو رفتہ بطبعِ تو خوشا کینۂ ما

غالب امشب ہمہ از دیدہ چکیدن دارد
خونِ دل بود مگر - بادۂ دوشینۂ ما

نظیری

آنکہ بر ما رقمِ کیں زدہ از کینۂ ما — نقشِ آئینۂ خود دیدہ در آئینۂ ما

عیدِ نوروز بود مکتبِ ما را ہر روز — بجہت گزدو سینہ و آدینۂ ما

زاں زراہے کہ بدنبالۂ چشمت رسید — خوں فرو میچکد از خرقۂ پشمینۂ ما

طرفہ شورِ سحر از سینۂ نظیری برخاست — ساخت کارِ ہمہ را گریۂ دوشینۂ ما

حسنیؒ

امشب کم از قیامت ہنگامہ ندیدم — فردا مگر بہ بینم دیدارِ آشنا را

در دہر جز خرابات جائے دگر نیابی — آنجا کہ خندہ آید بر بادشہ گدا را

بے مستیِ شبانہ لطفِ صبوح نبود — پیرِ مغاں سحرگہ ایں نکتہ گفت ما را

نظیری

در پردہ رہ ندادند وقتِ سخن صبا را — من نیک می شناسم پیغامِ آشنا را

با فقر و ننگ و مستی شو مستِ عُجب و ہستی — در کشورِ غیوراں نخوت کُشد گدا را

حسنی

بجز امید کہ ایمانِ عشق کیشاں است — کسے نداد تسلّی دلِ زلیخا را

مرید پیرِ مغاں شو کہ از اطاعتِ او — گزیر نیست جوانانِ بادہ پیما را

عجب نہ نرگسِ مخمورِ اوست خود داری		حجاب و شرم کجا مستِ بے محابا را
ہزار شکوۂ تلخِ مرا فرو بُردی		بجانِ من نہ کہ آموختی مدارا را
	نظیری	
دراں نظارہ کہ بہ تیغ و کفت شعور نبود		ز رشک سوختہ بود آگہی زلیخا را
گر از ورع بگدا۔ زاہداں قدح ندہند		چہ مانع است حریفانِ بادہ پیما را
گذشت شوق ز اندازہ۔ گوشۂ نظری		کہ مَے خموش کند مستِ بے محابا را
نوازش عرضِ کرم می کند محبت نیست		تواں شناختن از دوستی مدارا را
	حسرتی	
اگر زاں طرۂ مشکیں صبا بو آورد ما را		بہ رمِ صد خزینِ گل ندر سمرقند و بخارا را
فلاطون فطنتاں از رازگیتی بےخبر رفتند		حکیمِ معنوی باید کشادِ ایں معمّا را
	حافظ شیرازی رح	
اگر آں ترکِ شیرازی بدست آرد دلِ ما را		بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را
حدیث از مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو		کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمّا را
	حسرتی	
اُفتاد رشحہ از لبِ ساقی بجامِ ما		مستی نمیرسد بخمارِ دوامِ ما

ساقی بباده - جادۂ مارا نشاں دہد — مطرب بنغمہ باز نماید مقام ما
نے دام خوش - نہ دانہ خوش - امّا ز اتفاق — ہر بار شاہباز در افتد بدام ما

نظیری

مستی ربودہ از کفِ ہستی زمامِ ما — مطرب نمی دہد خبرے از مقامِ ما
خرمن بباد رفت دریں دشتِ پُر فریب — مرغے نشود گوشہ بالے بدامِ ما

حافظ شیرازی رح

ما در پیالہ عکسِ رخِ یار دیدہ ایم — ای بیخبر ز لذّتِ شرب مدامِ ما

حسرتؔ

جاں بتن میدمد ترانۂ ما — غم ز دل می برد فسانۂ ما
دیگرم نیست داوری باچرخ — گر ترا آورد بخانۂ ما

[illegible]

حرفِ شیریں شود فراموشش — خسرو ار بشنود فسانۂ ما
کبکِ کہسار و بلبلِ گلزار — گوش دارند بر ترانۂ ما
دیں فروشانِ خانہ بردوشیم — دلق و دستار ماست خانۂ ما

حسرتؔ

کام دریجش آمدہ از عشق مجوے — عیش مخصوص بکفرست ز ایماں مطلب

نظیری

فرض و سنت بثنا شاے نوازیا دم تنت ۔۔۔ پردہ بردے و فگن ۔ از من ایجاں مطلب

حسرتی

زلالہ دیدنِ لالہ گرت ہواست بخواب ۔۔۔ بہارِ قدرتِ صانع چو دیدنست مخسپ

دمِ صلوٰۃ و صبوحی ست حسرتی برخیز ۔۔۔ بہ نعمتِ دو جہاں گر رسیدنست مخسپ

غالب

نشانِ زندگیِ دل دویدنست باست ۔۔۔ جلائے آئینۂ چشم ۔ دیدنست مخسپ

بذکرِ مرگ شبے ۔ زندہ داشتن ذوقیست ۔۔۔ گرت فسانۂ غالب شنیدنست مخسپ

حسرتی

ہمانکہ منعِ من از بادہ مے نمود مدام ۔۔۔ شنیدش بہ میکدہ دیدم کہ غافل افتادہ است

دلت بحسنِ بتاں از چہ مائل افتادہ است ۔۔۔ بغیرِ ہستیِ حق ۔ ہرچہ باطل افتادہ است

بشب چو مہر بیاید ۔ سحر چو با درود ۔۔۔ فغاں کہ مہر مرا ۔ برق حاصل افتادہ است

ہر آنکہ یافت ز اہلِ صفا نظر داند ۔۔۔ کہ انکشافِ حقیقت ۔ چہ مشکل افتادہ است

دعا بکعبہ پذیرند ۔ لیک حیرانم ۔۔۔ امیدوار ز میخانہ ۔ سائل افتادہ است

خرد ز مانہ بشرحِ کمال نقصانش ۔۔۔ کہ حسرتی بفنِ خویش کامل افتادہ است

نظیری

شکستہ بر ورقِ جبہۂ تو خامہ حکیم — کہ ابروانِ ترا عقدۂ مشکل افتادہ است
یکے بگورِ غریبانِ شہر سیری کن — ببیں کہ نقشِ امل ہا چہ باطل افتادہ است
گدائے پیرِ مغاں شو کہ بادشاہ و فقیر — بر آستانۂ میخانہ سائل افتادہ است

غالب

زمن گسستی و پیوند مشکل افتادہ است — مرا بگیر بخوئے کہ در دل افتادہ است

حسرتی

چہ خوش است! با تو بزمے بنہفتہ ساز کردن — درِ خانہ بند کردن۔ سرِ شیشہ باز کردن
تو و رقص و می پرستی من و وجد و جوشِ مستی — تو و نغمہ ہائے دلکش من و نالہ ساز کردن
سرِ من فدائے نازت ز عدو دگر چہ خواہی — تو و عشوہ ساز کردن من و دل نیاز کردن
دلِ زاہداں بنجاں بنہفتہ حسرتی خور — تو اگر ہمی توانی ز ہمے احتراز کردن

[illegible]

چہ خوش است اندو بیکدل سرِ حرف باز کردن — سخنِ گذشتہ گفتن گلہ را دراز کردن
تو اگر بجور سوزی ز جفا کشاں نیاید — بجز از دعائے جانت ز سرِ نیاز کردن
بنجاں گرفتہ جا بہ تنا جان شیریں — کہ تواں ترا و جاں را ز ہم امتیاز کردن
ز نگار سے ندارم سر و برگ سجدۂ بت — دل و خاطرِ پریشاں نتواں نماز کردن

تو بخویشتن چه کردی که بما کنی نظیری — بخدا که واجب آمد ز تو احتراز کردن

غالب

چه غم ار به بدگرفتی ز من احتراز کردن — نتواں گرفت از من بگزشته ناز کردن

تو و در کنارِ شوقم گره از جبیں کشودن — من و سیرِ رخِ دو عالم و بر دل فراز کردن

بفشارِ رشکِ مربت بچپاں گلاخت گلشن — که میانهٔ گل و مل رسد امتیاز کردن

هله تازه گشته غالب روشِ نظیری از تو — سزد ار چنیں غزل را بسفینه ساز کردن

حسرتی

تا کجا بر طمعِ وصل شکر خند کنی — عشق آمیختهٔ زہر ہوس چند کنی

بنده را نیست بمیلانِ طبیعت کاری — کارہا بر نمطِ امرِ خداوند کنی

ای محبت ز تو خوش بو العجبی ہا آمد — طفل را فتنهٔ پیرانِ خردمند کنی

سعی در کار نما و بہ جہاں کار مدار — دو جہاں از تو اگر کار بآں بند کنی

نظیری

بهتر از صحبتِ اربابِ خرد بگزینی — ترکِ ہم جنسی پُرشور و سرِ خند کنی

خجل از کردهٔ خود تا نشوی می باید — حلم را بر غضب و خشمِ خداوند کنی

طبعِ نادانِ سبکسار نگیرے ہرگز — وزنِ خود راست بمیزانِ خردمند کنی

ہم نے سطور بالا میں غالبؔ، نظیریؔ اور حافظؔ شیرازی کی چند ہم طرح غزلوں کو حسرتیؔ کے کلام کے مقابلہ میں صرف اس خیال سے پیش کیا ہے کہ نکتہ رس طبائع مختلف شعرا کی جولانیٔ طبع کو ایک ہی زمین میں دیکھکر لطف حاصل کریں اور ارباب ذوقِ سلیم موازنہ کریں کہ سب سے پچھلا سخنور جو میدان سخن میں آیا ہے اُس نے اپنے متقدمین کی روش کو کس درجہ ترقی دی ہے اور باوجود ہندوستانی نژاد ہونے کے فارسی زبان پر اُس کو کس قدر قدرت حاصل ہے۔ فقط

تمام شد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خواہاں ہوں کوئے باغ تنزہ شمیم کا
یارب ادھر بھی بھیج دے جھونکا نسیم کا

تیرے گدا کو سلطنتِ جم سے کیا کہ ذوق
ہے کاسۂ شکستہ میں جامِ دو نیم کا

نیرنگ جلوہ پارۂ ہوش سوز ہے
کیا امتیاز رنگ سے سمجھے شمیم کا

تیری نسیم لطف سے گل کو شگفتگی
وابستہ تیرے حکم پہ چلنا نسیم کا

واجب کی حکمت آئے گی ممکن کی عقل میں
کتنا دماغ ہے خلل آگیں حکیم کا

وقت سے پہلے خضر سلامت کی راہ ہے
کیا سپاسدار ہوں عقلِ سلیم کا

میری فنا ہے مشغلۂ محفلِ بقا
پروانہ ہوں میں پرتوِ شمعِ قدیم کا

گر تیرے شوق میں ہیں یہی بیقراریاں
لے لوں گا بوسہ پایۂ عرشِ عظیم کا

طاعت اگر نہیں تو نہ ہو یاس کس لیے
وابستہ سب ہے کرم کب کریم کا

جس وقت تیرے لطف کے دریا کو جوش آئے
فوارۂ جناں ہو نہ بابِ جحیم کا

اے شیفتہ عذابِ جہنّم سے کیا مجھے
میں امتّی ہوں نار و جناں کی قسیم کا

یہ فیضِ عام شیوہ کہاں تھا نسیم کا
آخر غلام ہوں میں تمھارا قدیم کا

پیمانِ ترکِ جاہ لیا پیرِ دیر نے
پیمانہ دیکے بادۂ عنبر شمیم کا

کیا ڈھونڈھتی ہی قوم کہ آنکھوں میں قوم کی
خلدِ بریں ہے طبقۂ اسفل جحیم کا

اس شوخ کج ادا سے نہ آئی موافقت
کیونکہ گلہ نہو مجھے طبعِ سلیم کا

شکوے یہ اب جو ہوتے ہیں باہم نئے نہیں
انداز ہم میں اُن میں یہی ہی قدیم کا

اُس وقت ہم گنے گئے احباب خاص میں
آیا جو تذکرہ کبھی لطفِ عمیم کا

بدمستیاں کبھی کبھی مستوری و عفاف
دستور ہے طبیعتِ نا مستقیم کا

اُس رشکِ گل کی بسترِ گل سے ہی احتراز
ممنون ہوں عدو کے مزاجِ سقیم کا

اے جانِ بیقرار ذرا صبر چاہیے
بیشک ادھر بھی آئے گا جھوکا نسیم کا

جسکی سرشت صاف نہو آدمی نہیں
نیرنگ و عشوہ کام ہے دیو رجیم کا

اب جستجو ہی اُن کو ہماری تو کیا حصول
باقی نہیں اثر بھی عظامِ رمیم کا

عاشق بھی ہم ہوئے تو عجب شخص کے ہوئے
جو ایک دم میں خون کرے سو ندیم کا

ہم نے کیئے قواعدِ وحشت جو منضبط
اہلِ جنوں میں ہمکو لقب ہی حکیم کا

ہی کارنامہ جب سے بیاض اپنی شیفتہ
تقویم سال رفتہ ہے دیوان کلیم کا

جب سے عطا ہوا ہمیں خلعت حیات کا
کچھ اور رنگ ڈھنگ ہوا کائنات کا

شیشہ اُتار شکوے کو بالائے طاق رکھ
کیا اعتبار زندگی بے ثبات کا

لڑتے ہو جب رقیب سے کرتے ہو مجھ سے صلح
مشتاق یہاں نہیں کوئی اس التفات کا

گر تیرے تشنہ کام کو دے خضر مرتے دم
پانی نہ ہو خشک چشمہ آب حیات کا

یہاں خار و خس کو بے ادبی سے نہ دیکھنا
ہاں عالم شہود ہے آئینہ ذات کا

کہتے ہیں جان جاتے ہیں بے وفا مجھے
کیا اعتبار ہے اُنہیں دشمن کی بات کا

واعظ جنوں دو سے نہیں باز پرس حشر
بس آپ فکر کیجئے اپنی نجات کا

جوش سرشک خوں کے سبب سے دم رقم
نامہ نہیں رہا یہ ورق ہے برات کا

اے مرگ آکہ میری بھی رہ جائے آبرو
رکھا ہی اُس نے سوگ عدو کی وفات کا

لیسے کے آگے شیفتہ کیا چل سکے یہاں
احسان ایک عمر ہے ایک رات کا

کیا فائدہ نصیحت ناسود مند کا
کیا خوب پند گو بھی ہے محتاج پند کا

جب میں نہیں پسند تو پھر اور آ چکی
عاشق ہوں اُسکی خاطر مشکل پسند کا

اے بادِ صبح تا بہ کجا اہتزازِ گل
گوشہ الٹ دے یار کے منہ سے پرند کا

اس ماہ وش کو غیر سیہ رو سے کام کیا
ہی فیض اپنے اخترِ بختِ نژند کا

اس کوچہ میں ہی عزت خسرو گدا سے کم
کیوں ناز مستمند سہی ارجمند کا

نالہ تو نارسا نہیں کیونکہ گلہ کروں
ہیں شکوہ سنج ہوں تیرے کاخِ بلند کا

دیوان کو ہمارے بتوں کی نگاہ میں
اے **شیفتہ** وہ رتبہ ہی جو بید و زند کا

کچھ انتظار مجھکو نہ مے کا نہ ساز کا
ناچار ہوں کہ حکم نہیں کشفِ راز کا

لگتے نہیں پلک سے پلک جو تمام شب
ہی ایک شعبدہ مژۂ نیم باز کا

دشمن پئے صبوح جگاتے ہیں یار کو
یہ وقت ہی نسیم سحر اہتزاز کا

ایمن ہیں اہلِ جذبہ کہ رہبر ہی انکے ساتھ
سالک کو ہی خیال نشیب و فراز کا

چھٹنے کے بعد بھی ہے وہی دلشگفتگی
کیا خوب جال ہے نگہ جاں نواز کا

تقوی مرا اشعار ہی عصمت سرشت دوست
پھر مجھسے کونسا ہی سبب احتراز کا

یارب عجیب بات تو پھیلی جہان میں
پایا کسی نے گوہر افشائے راز کا

ساقی کے ہیں اگر یہی الطاف کیا عجب
ارض و سما میں ہوش نہو امتیاز کا

پیرِ مغاں نے رات کو وہ کچھ دکھا دیا
ہرگز رہا نہ دھیان بھی حسنِ مجاز کا

دیتا ہے داغ رشک پرند سپہر کو | جلوہ تمہاری معجز گوہر طراز کا
پانی وضو کو لاؤ رخ شمع زردہی | مینا اٹھاؤ وقت اب آیا نماز کا
یکتا کسی کو ہم نے نہ دیکھا جہان میں | طول امل جواب ہی زلف دراز کا

جور اجل کو شوخی بیجا کہا کیا
تھا محو شیفتہ جو کسی مست ناز کا

نہ اس زمانہ میں چرچا ہی دانش و دیں کا | نہ شوق شعر تر و بذلہ ہائے رنگیں کا
شمیم زلف بہی ہی تو وحشت دل نے | کب انتظار کیا موسم ریاحیں کا
بنات نعش نے کس سے اٹھا کہیں | نہیں ستارہ گہر خاندان پروین کا
ازل میں دیکھتے ہی ہم سخن کو سمجھے تھے | کہ مشتری نہیں اس گوہر نو آئیں کا
نماز نماہی نہایت خلاف شیوۂ عشق | غلط ہی شوق ہمیں گریہ ہائے رنگیں کا
وہ طرفہ حال کہ جس سے جماد رقص کرے | نہ رنگ بھی متغیر ہوا اہل تمکیں کا
ہزار مرتبہ فرہاد جان شیریں دے | وہی ہی حق نمک عشوہ ہائے شیریں کا

عجیب حال میں ہی شیفتہ معاف کرو
جو کچھ قصور بھی ہو اس غلام دیریں کا

ہائے افسوس وہ بہانوں پہ آنا دل کا | سمجھے جو گرمی ہنگامہ جلانا دل کا

ہی تیرا سلسلۂ زلف بھی کتنا دلبند
پھنسنے سے پہلے بھی مشکل تھا چھٹانا دل کا

دیکھتے ہم بھی کہ آرام سے سوتے کیونکر
نہ سُنا تم نے کبھی ہائے فسانا دل کا

ہمسے پوچھیں کہ اسی کھیل میں کھوئی ہی عمر
کھیل جو لوگ سمجھتے ہیں لگانا دل کا

عاقبت چاہِ ذقن میں خبر اُس کی پائی
مدتوں سے نہیں لگتا تھا ٹھکانا دل کا

کس طرح درد محبت میں جتاؤں اُس کو
بھید لڑکوں سے نہیں کہتے ہیں دانا دل کا

ہم یہ سمجھے تھے کہ آرام سے تم رکھوگے
لائیے تمکو ہی منظور ستانا دل کا

ہم بھی کیا سادے ہیں کیا کیا ہیں توقع اُس سے
آجتک جس نے ذرا حال نجانا دل کا

جلوہ گاہ غم و شادی دل و شادی کمیاب
کیوں نہو شکوہ سرا ایک زمانا دل کا

شکل مانند پری اور یہ افسوں دفا
آدمی کا نہیں مقدور بچانا دل کا

شیفتہ ضبط کرو ایسی ہی کیا بیتابی
جو کوئی ہو تمھیں احوال سُنانا دل کا

ہم پر ہے التفات ہمارے حبیب کا
گیرا مگر نہیں ہی نفس عندلیب کا

اب وہ ہی جلوہ ریز لباسِ پاس ہیں
جو عہد کو دکی میں گلہ تھا ادیب کا

اچھا جو اس کو سونگھے تو آجائے اُسکو غش
اچھا اثر ہے زلف معنبر کی طیب کا

تیری گلی سے آگے نہ ہرگز ہوا سے چلے
کوچہ سے تیرے پاؤں نہ اُٹھے غریب کا

مصروف ہی بہت وہ ہمارے علاج میں
ہم بھی دوا علاج کریں گے طبیب کا

تسلیم سے وفاق رضا سے ہی اتفاق
نے چرخ کا گلہ نہ گلہ ہے نصیب کا

ہم پاؤں پھونک پھونک کے رکھتے ہیں کیا کریں
اس بزم میں ہی دخل سراسر رقیب کا

ہو جائے کاسہ لیس شکرفانِ میکدہ
جسکو کہ اشتیاق ہی حالِ عجیب کا

سنتے ہی نام دشمنِ صد سالہ ہو گیا
پوچھا جو مجھ سے نام کسی نے حبیب کا

اس رشک گل نے لی ہی جو بلبل تو شیفتہ
دیکھے چمن میں شور کوئی عندلیب کا

محو ہوں میں جو اس ستمگر کا
ہے گلہ اپنے حالِ ابتر کا

حال لکھتا ہوں جانِ مضطر کا
رگِ بسمل ہے تارِ مسطر کا

آنکھ پھرنے سے تیرے مجھکو ہوا
گردشِ دہر دورِ ساغر کا

شعلہ رو یار شعلہ رنگ شراب
کام یہاں کیا ہے دامنِ تر کا

شوق کو آج بیقراری ہے
اور وعدہ ہے روزِ محشر کا

نقشِ تسخیر غیر کو اس نے
خوں لیا تو مرے کبوتر کا

میری ناکامی سے فلک کو حصول
کام ہے یہ اسی ستمگر کا

اس نے عاشق لکھا عدو کو لقب
ہائے لکھا مرے مقدّر کا

آپ سے لحظہ لحظہ جاتے ہو
شیفتہ ہی خیال کس گھر کا

سب حوصلہ جو صرف ہوا جور یار کا
مجھ پر گلہ رہا ستم روزگار کا

تھا کیا ہجوم بہر زیارت ہزار کا
گل ہو گیا چراغ ہمارے مزار کا

جور و جفا بھی غیر پہ اے یار دلشکن
کچھ بھی خیال ہی دل امیدوار کا

کھلنے لگے ہیں از سر نو غنچہائے زخم
یہ فیض ہے صبا کی دم مشکبار کا

گر چاہتے ہو جامہ نہ ہو چاک ناصحو
منگوا دو پیرہن مجھے اُس گلعذار کا

ہر کوچہ میں کھلی ہی جو دکان مے فروش
کیا فضل ہی شراب کی موسم بہار کا

گھبرا کے اور غیر کے پہلو سے لگ گئے
دیکھا اثر یہ نالہ بے اختیار کا

وہ آتے آتے غیر کے کہنے سے تھم گئے
اب کیا کروں علاج دل بیقرار کا

آزاد ہی عذاب دو عالم سے شیفتہ
جو ہے اسیر سلسلۂ تابدار کا

اُس بزم میں ہر چیز سے کمتر نظر آیا
وہ حسن کہ خورشید کے عہدے سے بر آیا

بیفائدہ ہے وہم کہ کیوں بے خبر آیا
اس راہ سے جاتا تھا ہمارے بھی گھر آیا

کچھ دور نہیں ان سے کہ نیرنج بتاویں
کیا فائدہ گر آنکھ سے لخت جگر آیا

گو کچھ نہ کہا پہ ہوئے دل میں متاثر
شکوہ جو زباں پر مری آشفتہ تر آیا

بےطاقتیٔ شوق سے میں اُٹھ ہی چکا تھا
ناگاہ وہ بیتاب مری قبر پر آیا

بےقدر ہے مفلس شجرِ خشک کی مانند
یہاں درہم و دینار میں برگ و ثمر آیا

حالِ دلِ صد چاک پہ کٹتا ہے کلیجا
ہر پارہ اک الماس کا ٹکڑا نظر آیا

دیکھیے کہ جدائی میں ہی کیا حال وہ بدظن
اس واسطے شب گھر میں مرے لے خبر آیا

کیا دیر ہی اے ساقیٔ گلفام سحر ہے
کیا عذر ہی اے زاہدِ خشک ابر تر آیا

روداد میں ہیں شیفتہ کے مختلف اقوال
پوچھیں گے وہاں سے جو کوئی معتبر آیا

جب رقیبوں کا ستم یاد آیا
کچھ تمہارا بھی کرم یاد آیا

کب ہمیں حاجتِ پرہیز پڑی
غم نہ کھایا تھا کہ سم یاد آیا

نہ لکھا خط کہ خطِ پیشانی
مجھکو ہنگامِ رقم یاد آیا

شعلۂ زخم سے اے صید فگن
داغِ آہوئے حرم یاد آیا

ٹھہرے کیا دل کہ تری شوخی سے
اضطرابِ پئے ہم یاد آیا

خوبیٔ بخت کہ پیمانِ عدو
اُس کو ہنگامِ قسم یاد آیا

کھل گئی غیر سے الفت اُسکی
جامِ مے سے مجھے جم یاد آیا

وہ مرا دل ہے کہ خود بینوں کو
دیکھکر آئنہ کم یاد آیا

کس لیے لطف کی باتیں ہیں پھر — کیا کوئی اور ستم یاد آیا

ایسے خود رفتہ ہوا ہے شیفتہ کیوں
کہیں اس شوخ کا رم یاد آیا

قبر پہ وہ بت گلفام آیا — بارے مرنا تو مرے کام آیا
دو قدم یہاں سے وہ کوچہ ہی مگر — نامہ بر صبح گیا شام آیا
مر گئے پر نہ گیا رنج کہ وہ — گور پر آئے تو آرام آیا
خیر باد اے ہوس کام کہ اب — دل میں شوق بت خود کام آیا
شمع کی طرح اٹھے ہم بھی جب — دشمن تیرہ سر انجام آیا
جب مری آہ فلک پر پہنچی — تب وہ مغرور سر بام آیا

جلد منگواؤ شراب گلرنگ
شیفتہ ساقی گل فام آیا

اس سے میں شکوہ کی جا شکر ستم کر آیا — کیا کروں تھا مرے دل میں سو زباں پر آیا
قبر سے اٹھ گئے یہی دھیان مکرر آیا — وہ تو آئے نہیں میں آپ ہی کیونکر آیا
وعدہ کس شخص کا اور وہ بھی نہایت کچا — ہم بھی کیا خوب ہیں سچ مچ ہمیں باور آیا
مجھ سے وہ صلح کو اس شان سے آئے گویا — جنگ کے واسطے دارا سے سکندر آیا

جذبۂ شوق کی تاثیر اسے کہتے ہیں
سن کے قاصد کی خبر آپ وہ در پہ آیا

خاک ہونے کا مرے ذکر نہ آیا ہو کہیں
آج اس بزم سے کچھ غیر مکدر آیا

اُڑ گئے ہوش کہ پیغامِ اجل ہی یہ جواب
کوچۂ یار سے زخمی جو کبوتر آیا

دلِ صد چاک میں ہی کاکلِ مشکیں کا خیال
کہ مجھے گریہ جو آیا تو معطر آیا

اے اجل نیم نگہ کی تو مجھے مہلت دے
اہلِ ماتم میں یہ چرچا ہے کہ دلبر آیا

اپنی محفل سے یہ آزردہ اُٹھایا مجھکو
کہ منانے کے لیے آپ مرے گھر آیا

نہ دیا ہائے مجھے لذتِ آزار نے چین
دل ہوا رنج سے خالی بھی تو جی بھر آیا

آپ مرتے تو ہیں پر جیتے ہی بن آئے گی
شیفتہ ضد پہ جو اپنی وہ ستمگر آیا

رات واں گل کی طرح سے جسے خنداں دیکھا
صبح بلبل کی روش ہمہ تن افغاں دیکھا

کوئی بے جان جہاں میں نہیں جیتا لیکن
تیرے مہجور کو جیتے ہوئے بے جاں دیکھا

میں نے کیا جانیے کس ذوق سے دی جان دمِ قتل
کہ بہت اُس سے ستمگر کو پشیماں دیکھا

نہ ہوا یہ کہ کبھی اپنے گلے پر دیکھیں
یوں تو سو بار ترا خنجرِ براں دیکھا

اس طرف کو بھی نگہ تا سرِ مژگاں آئی
بارے کچھ کچھ اثرِ گریۂ پنہاں دیکھا

پانی پانی ہوئے مرقد پہ مری آکے وہ جب
شمع کو نعش پہ پروانہ کی گریاں دیکھا

قطعہ

غم غلط کرنے کو احباب ہمیں جانب باغ
لیگئے گل تو عجب رنگ گلستاں دیکھا

ورد میں خاصیت انگشت سوزاں پائی
نسترن میں اثر خار مغیلاں دیکھا

ایک نالے میں ستم ہائے فلک سے چھوٹے
جسکو دشوار سمجھتے تھے سو آساں دیکھا

کون کہتا ہی کہ ظلمت میں کم آتا ہے نظر
جو نہ دیکھا تھا سو ہم نے شب ہجراں دیکھا

شیفتہ زلف پریرو کا پڑا سایہ کہیں
میں نے جب آپکو دیکھا تو پریشاں دیکھا

جفا و جور کا اُس سے گلا کیا
جو پوچھے مہربانی کیا وفا کیا

وہ بے پروا جواب نامہ لکھے
خدا جانے کہ دشمن نے لکھا کیا

دیا کیوں ہمنے اُس بد خو پہ عاشق
ہمارا دوست کوئی بھی نہ تھا کیا

شمیم گل میں بو ہے پیرہن ہے
غلط ہی یہ کہ احسان صبا کیا

نہ لکھنا تھا غم ناکامی عشق
جوابِ نامہ سنکے مدعا کیا

ہمیں تھا آپ قصد عرض احوال
جو وہ خود پوچھتے ہیں پوچھنا کیا

تماشا ہی جلے گر خانۂ غیر
وہ کہتے ہیں کہ آہ شعلہ زا کیا

فنائے عاشقاں عین بقا ہی
دیت زندوں کی کیسے خوں بہا کیا

اگر ہی بوالہوس تو قتل کر چک | عدو سے وعدۂ شوق آزما کیا

قطعہ

کہا کل میں نے اے سرمایۂ ناز | تلوّن سے ہی تمکو مدّعا کیا

کبھی مجھپر عتاب بے سبب کیوں | کبھی بیوجہ غیروں سے وفا کیا

کبھی محفل میں وہ بیباکیاں کیوں | کبھی خلوت میں یہ شرم و حیا کیا

کبھی تمکین صولت آفریں کیوں | کبھی الطاف جرأت آزما کیا

کبھی وہ طعنہ ہائے جاں گزا کیوں | کبھی یہ غمزہ ہائے جانفزا کیا

کبھی شعروں سے میری نغمہ سازی | کبھی کہنا کہ یہ تمنے کہا کیا

کبھی بے جرم پہ آزردہ ہونا | کہ کیا تھا جو پوچھوں میں خطا کیا

کبھی اس دشمنی پر پھر تسکیں | سنے ہم جلوہ ہائے دلربا کیا

سوال طول اُس نے سنکے بے تکلف | جواب اک مختصر مجھکو دیا کیا

ابھی اے شیفتہ واقف نہیں تم
کہ باتیں عشق میں ہوتی ہیں کیا کیا

وہ پری پوش عشق کے افسوں سے مائل ہوگیا | مفت میں مشہور میں لوگوں میں عامل ہوگیا

میں نہیں فرہاد وہ خسرو نہیں پھر کیا سبب | غیر کا مائل جو وہ شیریں شمائل ہوگیا

اشکباری ہمکناری کی ہوس میں رات تھی
قلزم گریہ کو اسکا دھیان ساحل ہو گیا

زخم ہے خنجر خونریز تھے اغیار کو
بیوفائی سے خجل کسوقت قاتل ہو گیا

اہل وحشت کو مری شورش سے لازم ہے خطر
میں وہ مجنوں ہوں کہ مجنوں کے مقابل ہو گیا

رشک خسرو بے تصرف ناز شیریں بے اثر
سینۂ فرہاد مثل بے ستوں سِل ہو گیا

ہے خراش ناخن غم میں بھی کیا بالیدگی
جو ہلال غرہ تھا سو ماہ کامل ہو گیا

عید کے دن ذبح کرنا اور بھی اچھا ہوا
حلقۂ اسلام میں وہ شوخ داخل ہو گیا

اُس کے اُٹھتے ہی یہ ہلچل پڑ گئی بس بزم میں
طور روز حشر سب کو طور محفل ہو گیا

ہوش تو دیکھو کہ سُنکر میری وحشت کی خبر
چھوڑ کر دیوانہ پن کو قیس عاقل ہو گیا

ہاتھ اُٹھایا اُس نے قتل بیگنہ سے میرے بعد
طالع اغیار سے جلاد عادل ہو گیا

حسن کے اعجاز نے تیرے مٹایا کفر کو
تیرے آگے نقش مانی نقش باطل ہو گیا

میرے مرتے دم جو رویا وہ بڑی تسخیر تھی
آب چشم یار اب چاہ بابل ہو گیا

ہے عدم میں بھی تلاش سرمہ و مشک و نمک
شیفتہ تیغ نگہ سے کس کی گھائل ہو گیا

یار کو محروم تماشا کیا
مرگ مفاجات نے یہ کیا کیا

آپ جو ہنستے رہے شب بزم میں
جان کو دشمن کی میں رویا کیا

عرضِ تمنا سے رہا بیقرار
شب وہ مجھے میں اُسے چھیڑا کیا

سرد ہوا دل وہ ہی غیروں سے گرم
شعلے نے الٹا مجھے ٹھنڈا کیا

مہر قمر کا ہی اب اُن کو گماں
آہ فلک سیر نے یہ کیا کیا

انکو محبت ہی میں شک پڑ گیا
ڈر سے جو شکوہ نہ عدو کا کیا

دیکھیے اب کون ملے خاک میں
یار نے گردوں سے کچھ ایما کیا

حسرتِ آغوش ہی کیوں ہمکنار
غیر سے کب اُس نے کنارا کیا

چشمِ عنایت سے بچی جان مجھے
نرگسِ بیمار نے اچھا کیا

غیر ہی کو چاہیں گے اب شیفتہ
کچھ تو ہی جو یار نے ایسا کیا

اُس جنبشِ ابرو کا گلا ہو نہیں سکتا
دل گوشت ہی ناخن سے جدا ہو نہیں سکتا

کچھ تو ہی اثر کر ترے قربان خموشی
نالوں سے تو کچھ کام مرا ہو نہیں سکتا

گر غیر بھی ہو وقف ستم تو ہے مسلم
کچھ تم سے بجز جور و جفا ہو نہیں سکتا

کھولے گرہ دل کو ترا ناخنِ شمشیر
یہ کام اجل سے بھی روا ہو نہیں سکتا

شیفتہ ہو تجھے راہ میں اُس کج کی پیچ
زنہار یہ اے راہ نما ہو نہیں سکتا

میں نے جو کہا ہمدم اغیار نہ ہوجے
تو چین بجبیں ہو کے کہا ہو نہیں سکتا

یہ رازِ محبت ہی نہ افسانۂ بلبل
محرم ہو مری بادِ صبا ہو نہیں سکتا

کب طالعِ خفتہ نے دیا خواب میں آنے
وعدہ بھی کیا وہ کہ وفا ہو نہیں سکتا

وہ مجھ سے خفا ہی تو اُسے یہ بھی ہی زیبا
پہ شیفتہ میں اُس سے خفا ہو نہیں سکتا

صبح ہوتے ہی گیا گھر مہِ تاباں میرا
پنجۂ خور نے کیا چاک گریباں میرا

گرم گرم اس رخِ نازک پہ نظر کی کس نے
رشک گلریز ہی کیوں دیدۂ گریاں میرا

وادئ نجد کو دلّی سے نہ دینا نسبت
ہی وہ مجنوں کا بیاباں یہ بیاباں میرا

دیکھکر میری طرف ہنسکے کہا یہ دمِ قتل
آج تو دیکھ لیا آپ نے پیماں میرا

نہ گھر آیا نہ جنازہ پہ نہ مرقد پہ کبھی
حیف صد حیف نہ نکلا کوئی ارماں میرا

چارہ سازو کوئی رہتا ہی بجز چاک ہوئے
آپ سوبار سیئیں ہیں یہ گریباں میرا

اُسکی زلفوں کا نہو دھیان تو ای شیفتہ پھر
اس شبِ ہجر میں ہی کون نگہباں میرا

گور میں یادِ قدِ یار نے سونے نہ دیا
فتنۂ حشر کو رفتار نے سونے نہ دیا

واہ اے طالعِ خفتہ کہ شبِ عیش میں بھی
وہمِ بیخوابیٔ اغیار نے سونے نہ دیا

وا رہیں صورتِ آغوش سحر تک آنکھیں
شوقِ ہمخوابیٔ دلدار نے سونے نہ دیا

یاس سے آنکھ بھی جھپکی تو توقع سے کھلی / صبح تک وعدۂ دیدار نے سونے نہ دیا

طالعِ خفتہ کی تعریف کہاں تک کیجے / پاؤں کو بھی خلشِ خار نے سونے نہ دیا

دردِ دل سے جو کہا نیند نہ آئی تو کہا / مجھکو کب نرگسِ بیمار نے سونے نہ دیا

شبِ ہجراں نے کہا قصۂ گیسوئے دراز
شیفتہ تو بھی دلِ زار نے سونے نہ دیا

آج ہی کیا آگ ہی سرگرم کیں تو کب نہ تھا / شمع ساں مجبورِ خوئے آتشیں تو کب نہ تھا

آج ہی دعویٰ ہی کیا تجھکو بتانِ دہر سے / غیرتِ غلمان و رشکِ حورِ عیں تو کب نہ تھا

آج ہی ہر بات پر بوجھ کیا رکتا ہے تو / اے ستمگر برسرِ پرخاش و کیں تو کب نہ تھا

آج ہی تیری جگہ کچھ سینہ و دل میں نہیں / مثلِ تیرِ غمزۂ ظالم دلنشیں تو کب نہ تھا

آج ہی کیا شرم و شوخی کو ملایا ہے بہم / غیر سے بیباک مجھ سے شرمگیں تو کب نہ تھا

آج ہی کیا ہی فلک پر شکوہ فریادِ خلق / اے ستمگر آفتِ روئے زمیں تو کب نہ تھا

آج ہی کیا دشمنوں سے قتل کی تدبیر ہے / اے جفاجو در پئے جانِ حزیں تو کب نہ تھا

آج ہی باتیں بنانی یہاں کے آنے میں نہیں / حیلہ گر تو کب نہ تھا عذر آفریں تو کب نہ تھا

آج ہی اٹھکر یہاں سے کیا عدو کے گھر گیا / مہوشِ شب کو کہیں دن کو کہیں تو کب نہ تھا

آج ہی ٹیکا لگانے سے لگے کیا چار چاند / نے تکلف بے تکلف مہ جبیں تو کب نہ تھا

آج ہی کچھ سوزِ ہجراں سے نہیں پروانہ وار
شیفتہ بیتاب ہے وہ آتشیں تو کب نہ تھا

میں پریشاں گرد اور محفل نشیں تو کب نہ تھا
ہر کہیں کس دن نہ تھا میں ہر کہیں تو کب نہ تھا

یہاں سبک حرفِ محبت واں گراں عرضِ نیاز
سخت جاں میں کب نہ تھا اور نازنیں تو کب نہ تھا

ناصح و واعظ کی مطعوں ای صنم ہم کب نہ تھے
آفتِ جان و بلائے عقل و دیں تو کب نہ تھا

انتہا کی بات ہی یہاں ابتدائے عشق ہے
ہم نہ تھے کب عجز گستر خشمگیں تو کب نہ تھا

جستجو میں ہر پئے تسخیر کی ہم کب نہ تھے
چشمِ افسوں ساز سے سحر آفریں تو کب نہ تھا

تجھکو شک الفت میں اپنے ہمکو وہمِ ربطِ غیر
بدگماں ہم کب نہ تھے اور بے یقیں تو کب نہ تھا

ناشکیبا مضطرب وقفِ ستم ہم کب نہ تھے
بیمروت بیوفا مصروفِ کیں تو کب نہ تھا

تیری ان باتوں پہ ہم طعنے اُٹھانے کب نہ تھے
ای ستمگر شیفتہ کا ہمنشیں تو کب نہ تھا

میں وصل میں بھی شیفتہ حسرت طلب رہا
گستاخیوں میں بھی مجھے پاسِ ادب رہا

تغیرِ وضع کی ہے اشارہ وداع کا
یعنی جفا پہ خوگرِ الطاف کب رہا

میں رشک سے چلا تو کہا بے سبب چلا
اس پہ جو رہ گیا تو کہا بے سبب رہا

دم بھر بھی غیر پہ نگہِ لطف کیوں رہی
اک عمر میں ستم کشِ چشمِ غضب رہا

تھا شب تو آہ میں بھی اثر جذب دل میں بھی
کیونکر نہ آئے شیفتہ مجھکو عجب رہا

بسکہ آغاز محبت میں ہوا کام اپنا
پوچھتے ہیں ملک الموت سے انجام اپنا

عمر کٹتی ہی تصور میں رخ و کاکل کے
رات دن اور ہی ہے گردش ایام اپنا

وہاں یہ قدغن کہ نہ آواز فغاں بھی پہنچے
یہاں یہ شورش کہ گذارا ہو لب بام اپنا

اُن سے نازک کو کہاں گرمی صحبت کی تاب
بس کلیجا نہ پکا اے طمع خام اپنا

تپش دل کے سبب سے ہی مجھے خواہش مرگ
کون ہی جس کو نہ منظور ہو آرام اپنا

بادہ نوشی سے ہماری جو لہو خشک ہوا
خون اغیار سے لبریز ہے کیا جام اپنا

لطف سمجھوں تو بجا جور بھی سمجھوں تو درست
تم نے بھیجا ہی مرے پاس جو ہمنام اپنا

ذکر عشاق سے آتی ہی جو غیرت اُسکو
آپ عاشق ہی مگر وہ بت خود کام اپنا

تاب بوسہ کی کسی شیفتہ وہ دیں بھی اگر
کر چکے کام یہاں لذت دشنام اپنا

جی داغ غم رشک سے جل جائے تو اچھا
ارمان عدو کا بھی نکل جائے تو اچھا

پروانہ بنا مرے جلانے کو وہ نادان
محفل میں کوئی شمع بدل جائے تو اچھا

کس چین سے نظارہ ہر دم ہے میسر
دل کوچہ دشمن میں بہل جائے تو اچھا

تم عجز کے قابو سے نکل آؤ تو بہتر
حسرت یہ ہمیرے دل کی نکل جائے تو اچھا

سودا زدہ کہتے ہیں ہوا شیفتہ افسوس
تھا دوست ہمارا ابھی سنبھل جائے تو اچھا

پلا جام ساقی مے ناب کا
کہ کچھ حظ اٹھے سیر مہتاب کا

دل زار کا ماجرا کیا کہوں
فسانہ ہی مشہور سیماب کا

کہاں پھر وہ نایاب پایا جسے
غلط شوق ہی جنس نایاب کا

نکیجو غل اے خوشنوایان صبح
یہ ہی وقت انکے شکر خواب کا

محبت نہ ہرگز جتائی گئی
رہا ذکر کل اور ہر باب کا

دم سرد سے لا نہ طوفان باد
نہ سن ماجرا چشم پر آب کا

وہاں بیخودی کی خبر کون لے
جہاں شغل ہو بادہ ناب کا

وہاں تیرہ روزی کی پروا کسے
جہاں شوق ہو سیر مہتاب کا

نہ تشخیص شخصی بھی باقی رہی
کنارا الٹتے ہی جلباب کا

ہیں شایان جرم رہنا ہو خلاف کہ واں لب
جفا میں نہیں دخل اسباب کا

پڑے ہے صبر آرام کی جان پہ
مری جان بنے صبر بیتاب کا

لب لعل کو کس کے جنبش ہوئی
ہوا میں ہی کچھ رنگ عناب کا

نہ کرنا خطا پر نظر شیفتہ
کہ اغماض شیوہ ہی احباب کا

تقلید عدو سے ہمیں ابرام نہوگا
ہم خاص نہیں اور کرم عام نہوگا

صیّاد کا دل اُس سے پگھلنا متعذر
جو نالہ کہ آتش فگن دام نہوگا

جس سے ہی مجھے ربط وہ ہی کون کہاں ہے
الزام کے دینے سے تو الزام نہوگا

بیداد وہ اور اُس پہ وفا یہ کوئی مجھ سا
مجبور ہوا ای دل خود کام نہوگا

وہ غیر کے گھر نغمہ سرا ہونگے مگر کب
جب ہم سے کوئی نالہ سرانجام نہوگا

ہم طالبِ شہرت ہیں ہمیں ننگ سے کیا کام
بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہوگا

قاصد کو کیا قتل کبوتر کو کیا ذبح
لیجاے مرا اب کوئی پیغام نہوگا

جب پردہ اُٹھا تب ہی عدو دوست کہاں تک
آزار عدو سے مجھے آرام نہوگا

یہاں جیتے ہیں امیدِ شبِ وصل پہ اور یہاں
ہر صبح توقع ہے کہ تا شام نہوگا

قاصد ہے عبث منتظرِ وقت کہاں وقت
کس وقت انھیں شغلِ مے و جام نہوگا

دشمن پس دشنام بھی ہی طالبِ بوسہ
محوِ اثرِ لذّتِ دشنام نہوگا

رخصت بس اب ای نالہ کہ یہاں ٹھہر چکی ہی
نالہ نہیں جو آفتِ اجرام نہوگا

برقِ آئینہ فرصت گلزار ہے اُس پہ
آئینہ نہ دیکھے کوئی گلفام نہوگا

اے اہلِ نظر ذرہ میں پوشیدہ ہی خورشید
ایضاح سے حاصل بجز ابہام نہوگا

اس نامہ و لفافہ میں ہی قاصد کی خرابی
بیچارہ کبھی لائقِ انعام نہوگا

اُس بزم کے چلنے میں ہو تم کیوں متردد
کیا شیفتہ کچھ آپ کا اکرام نہوگا

دیکھوں تو کہاں تک وہ تلطف نہیں کرتا
آزرے سے اگرچہ تو میں اُف نہیں کرتا

تم پیتے ہو تکلیف مجھے ہوتی ہی راحت
بیچ جانے میں اسمیں تکلف نہیں کرتا

سب باتیں اُنہیں کی ہیں تئیں بیچ بولیو قاصد
کچھ اپنی طرف سے تو تصرف نہیں کرتا

سو خوف کی ہو جائے مگر رند نظرباز
دل جلوہ گہہ لا تشف و شف نہیں کرتا

شوخی سے کسی طرح سے چین اُسکو نہیں ہی
آتا ہی مگر آکے توقف نہیں کرتا

اُس شوخ ستمگر سے پڑا ہی مجھے پالا
جو قتل کئے پر بھی تاسف نہیں کرتا

جو کچھ ہی اناہیں وہ ٹپکتا ہے انا سے
کچھ آپ سے میں ذکر تصوف نہیں کرتا

تسکین ہو کیا وعدہ سے معشوق ہی آخر
ہرچند سُنا ہی کہ تخلف نہیں کرتا

کیا حال تمہارا ہی ہمیں بھی تو بتاؤ
بے وجہ کوئی شیفتہ اُف اُف نہیں کرتا

ابھی جو ادا سے ہمیں مسکن بنا دیا
دشمن کو اور دوست نے دشمن بنا دیا

مشاطہ نے مگر عملِ سیمیا کیا
گل برگ کو جو غنچۂ سوسن بنا دیا

دامن تک اُس کے ہائے نہ پہنچا کبھی وہ ہاتھ
بس ہاتھ نے کہ جیب کو دامن بنا دیا

دیکھا نہ ہوگا خواب میں بھی یہ فروغِ حسن
پردے کو اُس کے جلوے نے چلمن بنا دیا

تم لوگ بھی غضب ہو کہ دل پر یہ اختیار
شب موم کر لیا سحر آہن بنا دیا

پروانہ ہے خموش کہ حکمِ سخن نہیں
بلبل ہے نغمہ گر کہ نوازن بنا دیا

صحرا بنا رہا ہے وہ افسوس شہر کو
صحرا کو جس کے جلوے نے گلشن بنا دیا

مشاطہ کا قصور سہی سب بناؤ میں
اُس نے ہی کیا نگہ کو بھی پُرفن بنا دیا

اظہارِ عشق اُس سے نہ کرنا تھا شیفتہ
یہ کیا کیا کہ دوست کو دشمن بنا دیا

کیا لائقِ زکوٰۃ کوئی بے نوا نہ تھا
انفاسِ باد میں نفسِ آشنا نہ تھا

اس قوم کی سرشت میں ہی کم محبتی
شکوہ جو اُس سے تھا نہ مجھے ہرگز بجا نہ تھا

تاثیرِ نالہ نکتۂ بعد الوقوع ہے
یہاں غیرِ رسم اور کوئی مدعا نہ تھا

وحشت تھی مجھکو پہلے بھی پر یہ تپش نہ تھی
شورش بھی تھی مجھکو پہلے بھی پر یہ مزا نہ تھا

اُنکی نگاہِ ناز عجب تازیانہ تھی
مقدور پھر اُدھر نظرِ شوق کا نہ تھا

افسوس وہ مظاہرِ کونی میں پھنس گیا
جو عالمِ عقول سے نا آشنا نہ تھا

شرمانے اسقدر ہے کیوں آپ رات کو
مدت میں گو ملے تھے مگر میں نیا نہ تھا

بے پردہ انکے آنے سے حیرت ہوئی مجھے
وصلِ عدو کی رات تھی روزِ جزا نہ تھا

نان و نمک کی تھی ہمیں توفیق شیفتہ
ساز و نوا کے واسطے برگ و نوا نہ تھا

کل نغمہ گر جو مطرب جادو ترانہ تھا
ہوش و حواس و عقل و خرد کا پتا نہ تھا

یہ بت کہ جائے شیب ہی جب تھا نقاب میں
عہدِ شباب اور بتوں کا زمانہ تھا

معلوم ہی ستاتے ہو ہر ایک بہانہ سے
قصد آنہ آئے رات حنا کا بہانہ تھا

حسرت سے اسکے کوچہ کو کیونکر نہ دیکھیے
اپنا بھی اس چمن میں کبھی آشیانہ تھا

کیا میکدوں میں ہی کہ مدارس میں وہ نہیں
البتہ ایک واں دلِ بے مدعا نہ تھا

ساقی کی بے مدد نہ بنی بات رات کو
مطرب اگرچہ کام میں اپنے یگانہ تھا

کچھ آج انکی بزم میں بیڈھب ہے بند و بست
آلودہ مے سے دامنِ بادِ صبا نہ تھا

دشمن کے فعل کی تھیں توجیہ کیا ضرور
تم سے فقط مجھے گلۂ دوستانہ تھا

کل شیفتہ سحر کو عجب حال خوش میں تھے
آنکھوں میں نشہ اور لبوں پہ ترانہ تھا

تھا غیر کا جو رنج جدائی تمام شب
نیند انکو میرے ساتھ نہ آئی تمام شب

شکوہ نہ مجھ سے ہو جو مکافات حد سے ہو
وہاں صلح ایک دم ہے لڑائی تمام شب

یہ ڈر رہا کہ سوتے نہ پائیں کہیں مجھے
وعدے کی رات نیند نہ آئی تمام شب

سچ تو یہ ہی کہ بول گئے اکثر اہلِ شوق
بلبل نے کی جو نالہ سرائی تمام شب

دم بھر بھی عمر کھوئی جو ذکرِ رقیب میں
کیفیت وصال نہ پائی تمام شب

تھوڑا سا میرے حال پہ فرما کر التفات
کرتے رہے وہ اپنی بڑائی تمام شب

وہ آہ تار و پود ہو جس کا ہوائے زلف
کرتی ہی عنبری و صبائی تمام شب

وہ صبح جلوہ جلوہ گر باغ تھا جو رات
مرغِ سحر نے دھوم مچائی تمام شب

افسانے سے بگاڑ ہے ان بن ہی خواب سے
ہی فکرِ وصل و ذکر جدائی تمام شب

جس کے شمیم زلف پہ میں غش ہوں شیفتہ
اُس نے شمیم زلف سنگھائی تمام شب

یوں بزمِ گلرخاں میں ہی اس دلکو اضطراب
جیسے بہار میں ہو عنادل کو اضطراب

نیرنگ حسن و عشق کے کیا کیا ظہور ہیں
بسمل کو اضطراب ہی قاتل کو اضطراب

آجائے ہمنشیں وہ پری وش تو کیا نہو
دیوانہ وار ناصحِ عاقل کو اضطراب

سیماب وار سارے بدن کو ہی یہاں طپش
تسکین ہو سکے جو ہو اک دل کو اضطراب

وہ بادب شہید ہوں میرا جو نام لے
قاتل تو پھر نہو کسی بسمل کو اضطراب

افسوس یاد آہ سے ہل بھی نہ جائے اور
یوں ہوہول سے پردۂ محمل کو اضطراب

میں جاں بلب ہوں اور خبرِ وصل جاں طلب
کیا کیا نہیں دہندۂ وسائل کو اضطراب

لکھا ہی خط میں حال دلِ بیقرار کا
ہوگا ضرور شیفتہ حامل کو اضطراب

کیا اُٹھ گیا ہی دیدۂ اغیار سے حجاب
ٹپکا پڑے ہی کیوں نگۂ یار سے حجاب

لاؤ نغم نہیں جو تمنائے وصل پر
انکار سے حجاب ہی اقرار سے حجاب

تقلید شکل چاہیے سیرت میں بھی سمجھے
کب تک رہے مجھے ترے اطوار سے حجاب

دشنام دیں عوض بوسہ میں ابرام ہم کریں
طبع غیور کو ہے پر اصرار سے حجاب

رندی میں بھی گئی نہ یہ مستوری و صلاح
آتا ہی مجھکو محرم اسرار سے حجاب

وہ طعنہ زن ہی زندگیٔ ہجر پہ عبث
آتا ہی مجھکو حسرت دیدار سے حجاب

جوشِ نگاہ دیدۂ حیراں کو کیا کہوں
ظاہر ہے روے آئینہ رخسار سے حجاب

روز و شبِ وصال مبارک ہو شیفتہ
جورِ فلک کو ہی ستم یار سے حجاب

دشمن سے ہی میرے دلِ مضطر کی شکایت
کیونکر نہ کروں شوخیٔ دلبر کی شکایت

دیوانۂ الفت ادب آموز خرد ہے
سودے میں نہیں زلف معنبر کی شکایت

تاخیر نہ کر قتل شہیدانِ وفا میں
ہر ایک کو ہی تیزیِ خنجر کی شکایت

تاثیر ہو کیا اُن لب و دنداں کا ہوں بیمار
نے لعل کا شکوہ ہی نہ گوہر کی شکایت

کیوں بوالہوس سے دلِ عاشق کا گلہ ہے
غیروں سے بھی کرتا ہی کوئی گھر کی شکایت

اب ظلم سرشتوں کی نگہ سے ہوں مقابل
ہوتی تھی کبھی کاوشِ نشتر کی شکایت

یہاں کانٹوں پہ بھی لوٹنے میں چین نہیں ہی
وہاں غیر سے ہی پھولوں کے بستر کی شکایت

تعلیم بد آموز کو ہم کرتے ہیں یعنی
ہی شکر وفا جورِ ستمگر کی شکایت

بے پردہ وہ آئیں گے تو کیسے نہ مجھے ہو گی
ای شیفتہ ہنگامۂ محشر کی شکایت

اُس وفا کی مجھ سے پھر امیدواری ہی عبث
دلفریبی کی لگاوٹ یہ تمھاری ہی عبث

دشمنی کو جو کہ احساں جانتا ہو ناز سے
اُس ستم ایجاد سے امید یاری ہی عبث

غمزہ ہائے دوست بعد از مرگ بھی نظروں میں ہیں
وہم راحت سے عدو کو بیقراری ہی عبث

سرو میں کب پھل لگا تاثیر کیا ہو آہ میں
چشم تر کی صورتِ ابر اشکباری ہی عبث

ہم نے غافل پا کے تجھکو اور کو دل دیدیا
ای ستمگر اب تری غفلت شعاری ہی عبث

ہجر میں چیخ و اجل نے گر نہ کی یاری تو کیا
دشمنوں سے شیفتہ امیدواری ہی عبث

نہ کر فاش راز گلستاں عبث
نہ ہو بلبل زار نالاں عبث

کفایت تھی مجھکو تو چین جبیں
کیا قتل کا اور ساماں عبث

مقدم ہے ترک عدو کی قسم
وگرنہ یہ سب عہد و پیماں عبث

جو آیا ہے وادی میں تو صبر کر
نکالا پا سے خار مغیلاں عبث

تکبر گدائی خرابات سے
خدا سے خواجہ کھو جان و ایماں عبث

وہاں صوت مینا و آواز ساز
خوش آہنگی مرغ شب خواں عبث

وہاں دس بجے دن کو ہوتی ہے صبح
سحر خیزی عندلیباں عبث

دم خضر ہے چشمۂ زندگی
سکندر سر آب حیواں عبث

پری کا وہاں مجھکو سایہ ہوا
نہیں اشتیاق دبستاں عبث

طلبگار راحت ہیں نا دردمند
اگر درد ہے فکر درماں عبث

یہ نازک مزاجوں کا دستور ہے
خشونت سے اندوہ حرماں عبث

شکایت کو اُس نے سنا بھی نہیں
کھلا غیر پر راز پنہاں عبث

مرے غم میں گیسوئے مشکیں نہ کھول
نہ ہو خلق کا دشمن جاں عبث

محبت جتاتا ہوں ہر طور سے
اثر کی نظر سوئے افغاں عبث

نہ سمجھا کسی نے مجھے کل نہ صبح
ہوا ٹکڑے ٹکڑے گریباں عبث

نہ مجھے یوں بٹھاتے وہ کب بزم میں ‏ ‏ ‏ ‏ اُٹھائے رقیبوں نے طوفاں عبث

یہ انداز دلکش کہاں شیفتہ
جگر کاوی مرغ بستاں عبث

اے شیفتہ نوید شب غم سحر ہے آج ‏ ‏ ‏ ‏ مہتاب آفتاب فروغ قمر ہے آج

آہنگ دلپذیر سے مطرب ہی جاں نواز ‏ ‏ ‏ ‏ آہ جگر خراش کا ظاہر اثر ہے آج

دل سے کشادہ تر ہو کیونکر فضائے بزم ‏ ‏ ‏ ‏ تنگی خانہ حلقۂ بیرون در ہے آج

فانوس میں نہ شمع نہ شیشہ میں ہی پری ‏ ‏ ‏ ‏ ساغر میں عین بہار سے می جلوہ گر ہے آج

پروانوں کا دماغ بھی ہے آسمان پہ ‏ ‏ ‏ ‏ نور چراغ میں جو فروغ قمر ہے آج

ہر سمت جلوہ گر ہیں جوانانِ لالہ رو ‏ ‏ ‏ ‏ گلزار جسکو کہتے ہیں وہ اپنا گھر ہے آج

سامان وہ کہ آئے نہ چشمِ خیال میں ‏ ‏ ‏ ‏ آاے رقیب دیکھ کہ پیش نظر ہے آج

وہ دن گئے کہ ربط سر و سنگ تھا بہم ‏ ‏ ‏ ‏ شکرانہ کے سجود ہیں اور اپنا سر ہے آج

اسباب عیش یہ جو مہیا ہی شیفتہ
کیا پردہ تم سے آنیکی اُنکی خبر ہی آج

شیفتہ ہجر میں تو نالۂ شبگیر نہ کھینچ ‏ ‏ ‏ ‏ صبح ہونے کی نہیں خجلتِ تاثیر نہ کھینچ

اے ستمگر رگ جاں میں ہی مری پیوستہ ‏ ‏ ‏ ‏ دم نکل جائیگا سینے سے مرے تیر نہ کھینچ

عدو پہ بھی کوئی کرتا ہے عمل دنیا میں
رنج بیہودہ بس اے عامل تسخیر نہ کھینچ

عشق سے کیا ہی تجھے شکل بری کھنچتی ہے
حسن تقریر کو آہیں دم تقریر نہ کھینچ

ہے یہ سامان صفائی کا عدو سے کیونکر
دست مشاطہ سے یوں زلف گرہ گیر نہ کھینچ

اے ستم پیشہ کچھ امید تلافی تو ہے
دست نازک سے مرے قتل کو شمشیر نہ کھینچ

چارہ گر فکر کر اس میں کہ مقدر بدلے
ورنہ بیہودہ اذیت پے تدبیر نہ کھینچ

کون ہے جرم ہے جو شایق تعذیر نہیں
شوق تعذیر سے تو حسرت تقصیر نہ کھینچ

وجد کو زمزمۂ مرغ سحر کافی ہے
شیفتہ ناز مغنّی و مزامیر نہ کھینچ

ناصح تپاں ہی شیفتہ نیم جاں کی طرح
کیا دل میں چبھ گئی نگہ جانستاں کی طرح

بہتر ہے آپ غیر سے دل کھول کر ملیں
آخر تو یہ بھی مہر کی ہی امتحان کی طرح

اس شمع رو کی بزم میں مانع نہ تھا کوئی
ہوتی سبک جو نالہ آتش فشاں کی طرح

کیوں ہر نفس ہے شہد خموشی سے بند لب
بھائی ہے دلکو کونسے شیریں بیاں کی طرح

لڑنے میں آشتی نہ تغافل میں التفات
یہ جور کی نکالی ہے تم نے کہاں کی طرح

ہمیازہ بند بند گسل ہے خمار سے
بدمست کر گئی یہ کس ابرو کماں کی طرح

ہر ہر قدم پہ رشک سے جلتی ہے شمع قند

چلتا ہی وہ بھی شیفتہ میری زباں کی طرح

دیا ہی بوسہ مجھے جبکہ میں ہوا گستاخ
غلط ہی بات کہ کم رزق ہی گدا گستاخ

تمھاری بزم میں افسردہ میں نہ بیٹھونگا
نسیم باغ میں چالاک ہی صبا گستاخ

کہاں ہی عزتِ شوخی کہ جائے عزت ہی
نگاہِ یار سے ہر وقت ہی حیا گستاخ

سفیہ جیسے کہ خدمت سے چل نکلتے ہیں
غرورِ مہر و وفا نے مجھے کیا گستاخ

لبوں سے جان ہی گستاخ ذوقِ بیجد سے
زبان بوسہ مجھے تو نے کیوں کہا گستاخ

قبول کیوں نہوئی خواہشِ ہم آغوشی
کہ آشناؤں سے ہوتے ہیں آشنا گستاخ

عنانِ ضبط کوئی شیفتہ سے تھمتی ہی
کہ ہر کرشمہ ہی چالاک و ہر ادا گستاخ

روزِ غم میں کیا قیامت ہی شبِ عشرت کی یاد
اشکِ خوں سے آگئیں رنگینیاں صحبت کی یاد

میری حالت دیکھ تو تغییر کتنے ہو چکی
وصل کے دن دمبدم کیوں شیشۂ ساعت کی یاد

میں ہوں بیکس اور بیکس پر ترحم ہے ضرور
حسن روزافزوں دلا دینا مری حالت کی یاد

طاقتِ جنبش نہیں اس حال پر قصدِ عدم
مر گئے پر بھی رہے گی اپنی اس ہمت کی یاد

غالباً ایام ہجراں بیخودی میں کٹ گئے
آتی ہی پھر آرزو بھولی ہوئی مدت کی یاد

دل لگانے کا ارادہ پھر ہی شاید شیفتہ

ایسی حسرت سے جو ہی گذری ہی عیش الفت کی یاد

طلب بوسہ پر اُس لب سے شکر آب لذیذ | تند ہی تلخ ہی لیکن ہی مئے ناب لذیذ
کچھ مزا تو نہ سمجھ خضر امورِ عشرت | سب مزاجوں میں نہیں ایک سے اسباب لذیذ
سم کی تاثیر کرے ہجر میں آبِ حیواں | مئے گلگوں کے سوا وصل میں ہی آب لذیذ
زور نا د سہی پر نہیں مقبول فغاں | تا نہ معلوم ہو تلخی مئے ناب لذیذ

شیفتہ ذوقِ سحر اُس نے کہاں دیکھا ہی
وہ جو کہتا ہی کہ ہی آخرِ شب خواب لذیذ

وصل کے لطف اُٹھاؤں کیوں کر | تاب اُس جلوے کی لاؤں کیوں کر
گرمجوشی کا کروں شکوہ کہ وہ | کہتے ہیں تجھکو جلاؤں کیوں کر
کیا کروں ہائے میں بیتاب وہ شوخ | چین سے پاس بٹھاؤں کیوں کر
ہر بنِ مُو سے دُھواں اُٹھتا ہے | آتشِ غم کو چھپاؤں کیوں کر
میرے آنے سے تم اُٹھ جاتے ہو | بزمِ دشمن میں نہ آؤں کیوں کر
یاد نے جس کی بُھلایا سب کچھ | اُس کی میں یاد بھُلاؤں کیوں کر
آپ بھایا مجھے رونا اپنا | کہتے ہیں ہائے میں جاؤں کیوں کر
چارۂ عجز سے فرصت ہی نہیں | دردِ دل اُس کو سُناؤں کیوں کر

زندگانی سے خفا ہوں اپنی
پھر کہو تمکو مناؤں کیوں کر

اُس کے آتے ہی بھڑک اُٹھی اور
آتشِ دل کو بجھاؤں کیوں کر

شورِ محشر ابھی چونک اُٹھے گا
شیفتہ کو میں جگاؤں کیوں کر

شیفتہ آیا ہوں میں کسکا تماشا دیکھکر
رہ گئے حیران مجھکو سب خود آرا دیکھکر

شوقِ خوباں اُڑ گیا حوروں کا جلوہ دیکھکر
ہیچ دُنیا مٹ گیا آرام عقبےٰ دیکھکر

ہی وہ آتش جلوہ اشک افشاں ہمارے شور سے
شمع رو دیتی ہی پروانہ کو جلتا دیکھکر

خیر جو گذری سو گذری پہ یہی اچھا ہوا
خط دیا تھا نامہ بر نے اُسکو تنہا دیکھکر

سائلِ مبرم کی پھبتی مجھ پہ فرمانے لگے
آرزوئے شوق کا گرمِ تقاضا دیکھکر

ہی وہاں اُسکی طلب میں جان پیاری نہیں
کام کرتے ہیں مزاجِ کارفرما دیکھکر

ہیں تو دو تو سخت لیکن کو لنا ہی سخت تر
اپنے دلکو دیجیے میرا کلیجا دیکھکر

گاؤں بھی ہمکو غنیمت ہی کہ آبادی تو ہی
آئے ہیں ہم سخت پُر آشوب صحرا دیکھکر

اب کسے لاؤں گواہی کیلیے روزِ جزا
میرے دشمن ہو گئے اُس کو احبّا دیکھکر

ہیں کمینِ توبہ میں ہمسن آپ لیکن کیا کروں
مُنہ میں بھر آتا ہی پانی جام و مینا دیکھکر

التماسِ وصل پر بگڑی تھی بیڈھب رات کو
کچھ نہ بن آئی مگر پیشِ تمنّا دیکھکر

دوستی کرتے ہیں ارباب غرض ہر اک سے
غیر عاشق ہیں عدو اب ربط اس کا دیکھکر

بے نقط مجھکو سناؤگے جو دیکھوگے ستم
آپ عاشق تو ہوئے ہیں شوق میرا دیکھکر

پھر کہوگے اس کو دل فرماؤ ای ارباب دل
جو نہو بیتاب و مضطر روئے زیبا دیکھکر

یار پہلو میں نہیں مے جام و مینا میں نہیں
تم ہوئے حیران مجھکو ناشکیبا دیکھکر

ناگہاں باد موافق شیفتہ چلنے لگی
جان پر کل بن رہی تھی شور دریا دیکھکر

تھا قصد بوسہ نشہ میں سرشار دیکھکر
غش آگیا مجھے انھیں ہشیار دیکھکر

کچھ بیم قتل سے نہیں آنکھوں میں اشک سرخ
کھاتا ہی جوش خون تری تلوار دیکھکر

بہاتے ہیں اور منع کی طاقت نہیں مگر
رہجائیں آپ وہ مجھے ناچار دیکھکر

پردہ کسی کا یاد نہ بے پردگی ہی یاد
غش ہوگیا میں کعبہ کی استار دیکھکر

سر خیل عاشقاں مجھے کہتے ہیں بوالہوس
عاشق کا اس کو مائل آزار دیکھکر

آتی ہیں یاد کاکل و دل کی حکایتیں
روتا ہوں دام و مرغ گرفتار دیکھکر

کیا بن گیا ہوں صورت دیوار دیکھتا
صورت کسی کی میں پس دیوار دیکھکر

رحم ایسی سادگی پہ ستمگر ضرور ہے
عاشق ہوئے ہیں ہم تجھے پرکار دیکھکر

کم رغبتی سے لیتے ہیں دل ہوشیار ہیں
بڑھتا ہی مول شوق خریدار دیکھکر

کہتا تھا وقتِ مرگ کے ہر اک سے شیفتہ
دینا کسیکو دل تو وفادار دیکھکر

یوں پاس بوالہوس ہیں جشمِ غضب سے دور
یہ بات ہے بڑی دلِ عاشق طلب سے دور

دیوانہ میں نہیں کہ انا لیلی لب پہ آئے
باتیں خلاف وضع ہیں اہلِ ادب سے دور

مجھکو سنا کے کہتے ہیں ہمدم سے یاد ہے
اک آدمی کو چاہتے تھے ہم بھی اب سے دور

جو لطف میں بھی پاس پھٹکنے نہ دے کبھی
رکھیو الٰہی ایسے کے مجھکو غضب سے دور

کیونکہ میں انجمن میں تمھاری شریک ہوں
ارباب رنج رہتے ہیں اہلِ طرب سے دور

ہم سے اُسے معاملہ تھا جان و جسم کا
ہرگز ملا نہ گاہ ہوا ہائے جب سے دور

تو بھی جو میرے پاس نہ آئے تو کیا کروں
تیرے ہی پاس سے تو میں رہتا ہوں سب سے دور

میں غیر بوالہوس نہیں ڈرتے ہو کس لیے
مجھ سے نہ رکھو بوسہ میں تم لبہا کو لب سے دور

بوس و کنار کی نہ کرونگا ہوس کبھی
یہ خواہشیں ہیں عاشقِ حسرت طلب سے دور

آغاز عمر ہی میں ہے ہمکو خیالِ حج
دلّی جو شیفتہ ہے دیارِ عرب سے دور

ہم بے نشان اور وفا کا نشاں ہنوز
ہے خاک تن ہوا و ہوا خوں فشاں ہنوز

بیت الحزن میں نغمۂ شادی بلند ہے
نکلا ہے باب مصر سے ہی کارواں ہنوز

صبح شب وصال نئی صبح ہے مگر
پروین ہے ہنوز جلوہ گر و کہکشاں ہنوز

ہرگز ابھی شکایت دشمن نہ چاہیے
ہم پر بھی یار خوب نہیں مہرباں ہنوز

کیونکہ کہیں کہ چھٹ گئے ہم بند جسم سے
اُس زلف پیچ پیچ میں اُلجھی ہے جاں ہنوز

جو بات میکدہ میں ہے ایک ایک زبان پہ
افسوس مدرسہ میں ہے بالکل نہاں ہنوز

ضبط و شکیب یہاں ہے نقاب جمال شوق
بیہودہ وہاں نہیں ہے سر امتحاں ہنوز

مدت ہوئی بہار جہاں دیکھتے ہوئے
دیکھا نہیں کسی نے گل بے خزاں ہنوز

اکثر ہوا ہے مجھکو سفر در وطن مگر
لایا نہ دوستوں کے لیے ارمغاں ہنوز

اک شب ہوا تھا جلوہ نما چرخ پر وہ ماہ
مدہوش ہیں ملائکہ آسماں ہنوز

نا آشنا رقیب سے ہے آشنا ابھی
نا آشنا ہے لب سے ہماری فغاں ہنوز

آشفتہ زلف چاک قبا نیم باز چشم
ہیں صحبت شبانہ کی ظاہر نشاں ہنوز

اے موج نسیم ذرا اور ٹھہر جا
ہے خاک پر ہمارے وہ دامن فشاں ہنوز

میخانہ میں تمام جوانی بسر ہوئی
لیکن ملا نہ منصب پیر مغاں ہنوز

اے تاب برق تھوڑی سی تکلیف اور بھی
کچھ رہ گئے ہیں خار و خس آشیاں ہنوز

آتا ہوں میں وہیں سے ذرا صبر شیفتہ
سونے کے قصد میں بھی نہیں پاسباں ہنوز

ہند کی وہ زمیں ہے عشرت خیز
کہ نہ زاہد جہاں کریں پرہیز

وجد کرتے ہیں پی کے مے صوفی
مست سوتے ہیں صبح تک شب خیز

رند کیا یاں تو شاہد و مے سے
پارسا کو نہیں گزیر و گریز

سخت مشکل ہے ایسی عشرت میں
خطرِ حشر و بیمِ رستاخیز

رہے غریبوں کو جرأتِ فرہاد
ہے فقیروں کو عشرتِ پرویز

عیش نے یہاں اٹھا دیا ناقہ
غم نے کی یہاں سے رخش کو مہمیز

کوئی یہاں غم کو جانتا بھی نہیں
جز تمتع سوئے عیش آمیز

بادِ صرصر یہاں نسیمِ چمن
نارِ عنصر ہے آتشِ گل تیز

بوستاں کی طرح یہاں صحرا
دل کشا دلپسند دل آویز

کوئی پامال جورِ چرخ نہیں
کتنی ہے یہ زمیں راحت خیز

اثرِ زہرہ اس میں یہاں پایا
وہ جو مریخ ہے بڑا خونریز

شیفتہ تھام لو عناں قلم
یہ زمیں گرچہ ہے ہوس انگیز

دور رہنا ہے کب تک اور بیگانے کے پاس
ہیں قریبِ مرگ کیا اب بھی نہیں آنے کے پاس

جلوہ آرا ایسکہ تھا وہ شمع سیارات کو
ہم بھی مر کر رہ گئے مجلس میں پروانے کے پاس

آفریں طغیان وحشت مرحبا جوش جنوں
غیر سے کہوائیں یا دل سے سمجھوائیں گے ہم

وہ یہ کہتے ہیں کہ کیونکر جائیں دیوانے کے پاس
دیکھ لیں گے پھر کہ تم کیونکر نہیں آنے کے پاس

شیفتہ نے قصۂ مجنوں سنایا رات کو
آگیا میرا انھیں سنتے ہی افسانے کے پاس

اٹھے نہ چھوڑ کے ہم آستان بادہ فروش
طلسم ہوش ربا ہے دکان بادہ فروش

کھلا جو پردہ روئے حقایق اشیا
کھلی حقیقت راز نہان بادہ فروش

فسردہ طینتی و کاہلی سے ہم نے کبھی
شباب میں بھی نہ دیکھی دکان بادہ فروش

یقین ہے کہ تو ناب مفت ہاتھ آئے
یہ جی میں ہے کہ بنوں میہمان بادہ فروش

قدح سے دل ہے مراد اور مے سے عشق غرض
ہیں وہ نہیں کہ نہ سمجھوں زبان بادہ فروش

عجب نہیں کہ کسی روز وہ بھی آنکلیں
کہ ہے گذرگہ خلق آستان بادہ فروش

مے و سرود کے اسرار آپ آکر دیکھ
نہ پوچھ مجھ سے کہ ہوں رازدان بادہ فروش

شراب دیکھ کہ کس رنگ کی پلاتا ہے
بجز اس کے اور نہیں امتحان بادہ فروش

تری شمیم نے گلزار کو کیا برباد
تری نگاہ نے کھولی دکان بادہ فروش

عبث ہے شیفتہ ہر اک سے پوچھتے پھرنا
ملیگا بادہ کشوں سے نشان بادہ فروش

اُن کو دشمن سے ہی محبت خاص
یہ ہمارا ہے ثمرۂ اخلاص

وجد میں لائے اہل درد ہمیں
باد کے ساتھ خاک ہی رقاص

دل کے ٹکڑے اڑا نہیں ہے گناہ
نفس کو قتل کر نہیں ہی قصاص

حسن باطن نہ بو نہ ظاہر
ہے مئے ناب اور جام رصاص

کیا مزا تم سے آشنائی کا
ما شربتم مدامنہ الاخلاص

ہجر زہر اور وصل ہے تریاق
زہر و تریاق کا جدا ہی خواص

قسمت اس کی خبر نہ ہو جسکو
عام اس دور میں ہی بادۂ خاص

دام سے تیرے موسم گل میں
بلبلوں کو نہیں ہوا ہے خلاص

شیفتہ نے ہمارے داد نہ دی
سچ ہے القاص لایحب القاص

ہی دلکو یونہی سے دم اعجاز اثر سے فیض
غنچہ کو جیسے موجۂ باد سحر سے فیض

عشاق سے نگاہ نہ رکھو دریغ تم
پاتے ہیں لوگ خدمت اہل نظر سے فیض

ہی عالم کبیر میں بھی یوں ہی جس طرح
دل سے جگر کو فیض ہی دلکو جگر سے فیض

آزردۂ جفائے دی و تیر کو نہیں
یک ذرہ آب و آتش لعل و گہر سے فیض

اپنے نہاد میں نہیں احسان فراموشی
پایا ہی ہم نے صاعقہ کا ابر تر سے فیض

زر کسب کر کہ عشرتِ حشر و نصیب ہو
زہاد کو سنا ہی ہوا جو ہنر سے فیض

لگتے ہیں اُس کے سینہ و بر سے مدام ہم
ہوتا ہی ہمکو روز یہ سیمبر سے فیض

اسباب خانقاہ ہیں محتاجِ اغنیا
کافی ہی ہمکو پیرِ مغاں تیرے در سے فیض

بلبل ہمارے گھر وہ خود آتے ہیں رحم سے
افزوں ہی نے پری ہیں بہا بال و پر سے فیض

خرم نہاد و مسکین و زاہد شگفتہ دل
ہے شگفتہ ہر ایک کو وقتِ سحر سے فیض

لازم ہے بیوفا تجھے اہلِ وفا سے ربط
کیسا ہی دیکھ عکس ادا کو ادا سے ربط

یہ ناخن و خراش میں بگڑی کہ کیا کہوں
اک دم ہوا جو عقدۂ بندِ قبا سے ربط

ناصح مری ملامت بیجا سے فائدہ
بے اختیار دلکو ہی اُس دلربا سے ربط

اُس سرد مہر کو ہوا اثر پہ جو ہو سکے
کام وہاں کو ہے جو شعلہ ندا سے ربط

تجھے گر اُن سے شکوۂ انجام کار عشق
کہتے ہیں مجھکو تم سے نہ تھا ابتدا سے ربط

وہ دن میں تنگ ہو گئے جو یہ سپہر سے
اس حیلہ پہ کہتے تھے اُنکی جفا سے ربط

کیا تجھے بدگمانی ابرو کا دھیان ہے
کرتے و گرنہ ہجر میں تیغِ قضا سے ربط

تیرے ستم سے ہی یہ دعا لب پہ دمبدم
یارب نہ ہو کسی کو کسی بیوفا سے ربط

صبحِ شبِ فراق کا کیا لطف مرگ سے
کیا دیر میں ہوا ہے پھر دو آشنا سے ربط

فریادِ نزع کان تک اُس کے نہ جا سکے
تھا شیفتہ ہمیں نفسِ نارسا سے ربط

ترے فسوں کی نہیں مرے دل میں جا واعظ
کسی صنم نے مگر آپ کو جلایا ہے
تمھارے حسن جہاں سوز سے میں جلتا ہوں
ملا کے دیکھیں کہ ہے خوب کون دونوں میں
ترے فسونِ اثر ریز سے رسا تر سی

صنم پرست نہ ہو بندۂ ریا واعظ
نہیں تو حوروں کی کیوں اسقدر تمنا واعظ
کہ ہیں رقیب مرے شیخ و پارسا واعظ
ہم اُس کو لاتے ہیں تو حور کو بلا واعظ
فغان نے اثر و آہ نارسا واعظ

کمی تھی حالتِ رندی میں اُسکو کیا یارو
کوئی یہ پوچھے کہ کیوں شیفتہ بنا واعظ

خورشید کو اگرچہ نہ پہنچی ضیاے شمع
اس تیرہ روزگار میں مجھسا جگر گداز
روزِ فراق میں ہی قیامت جمالِ گل
پروانے کیا خجل ہوے دیکھا جو صبح کو
اُس رشکِ شمع و گل کی ہی کچھ آتا باور
دیتی ہی اور گرمی پروانہ داغِ رشک

پروانہ کو پسند نہیں پرسواے شمع
مشعل جلا کے ڈھونڈھے اگر تو نہ پاے شمع
شب ہاے ہجر میں ہی مصیبت لقاے شمع
تھا شب کو اُسکی بزم میں خورشید جاے شمع
دیکھے ہیں جلوہ ہاے گل شعلہ ہاے شمع
شب ہاے ہجر میں کوئی کیونکر جلاے شمع

کیا حاجت آفتاب کے گھر میں چراغ کی
ہی حکم شب کو بزم میں کوئی نہ لائے شمع

اُس لعل بے بہا سے کہاں تاب ہمسری
روشن ہی سب پہ قیمتِ گل اور بہائے شمع

خورشید جس کے جلوہ سے ہو شمع صبح دم
کیا ٹھہرے اُسکے سامنے نور و ضیائے شمع

اس تیرہ شب میں جائیں گے کیونکر عدو کے گھر
بیمار رقیب وہ ہی جو اُنکو دکھائے شمع

آتے ہیں وہ جو گور پہ میری تو بہرِ زیب
کوئی نہ لائے پھول نہ کوئی منگائے شمع

گل پہ لگا کے آپ سے پہنچیں گے نئے طلب
آئیگی اپنے پاؤں سے یہاں بن بُلائے شمع

ڈر ہی اُٹھا نہ دے کہیں وہ بزم عیش سے
کیا تاب ہی کہ **شیفتہ** آنسو بہائے شمع

کیا غیر تھا کہ شب کو نہ تھا جلوہ گر چراغ
رہتا ہی ورنہ گھر میں ترے تا سحر چراغ

کیا لطف آہ صبح شبِ ہجر مہروش
کیا فائدہ جو کیجئے روشن سحر چراغ

پروانہ گر نہ جائے تو بیجا ہے لاف عشق
روشن ہی میرے نالوں سے افلاک پر چراغ

حسبا کیے طریقۂ پروانہ اختیار
اُس تابِ رُخ سے کیجئے روشن اگر چراغ

پروانہ ہو گیا ہے رقیبِ کتاں کہ ہی
اُس مہروش کے جلوے کے آگے قمر چراغ

گستاخیوں کی تاب کسی اُس کی بزم میں
بیباکی نسیم سے ہرگز نہ ڈر چراغ

ہی شمع انجمن وہ مہِ آتشیں عذار
گھی کے جلیں گے آج تو دشمن کے گھر چراغ

کرتا ہوں فکر شعر جو میں شب کو شیفتہ
رہتا ہے خوابگہ میں مری رات بھر چراغ

وہاں ہوا پردہ اُٹھانا موقوف
یہاں ہوا راز چھپانا موقوف

غیر کو رشک سے کیا آگ لگی
کہ ہوا میرا جلانا موقوف

ذکر شیریں کی اگر بندی ہے
کوہکن کا بھی فسانا موقوف

اب کس امید پہ وہاں جائے کوئی
کہ ہوا غیر کا آنا موقوف

رمِ آہو سے وہ رم یاد آیا
دشت و صحرا میں بھی جانا موقوف

بد دماغ آج ہوا وہ گل رو
شیفتہ عطر لگانا موقوف

پابندیِ وحشت میں ہیں زنجیر کے مشتاق
دیوانے ہیں اُس زلف گرہ گیر کے مشتاق

بیرحم نہیں جرم وفا قابلِ بخشش
محروم ہیں کس واسطے تعزیر کے مشتاق

رہتے تھے بہم جس سے مثالِ ورق و حرف
اب اُنکی رہا کرتے ہیں تحریر کے مشتاق

لکھتا ہوں جو میں آرزوئے قتل میں نامے
ہیں میرے کبوتر بھی ترے تیر کے مشتاق

کیوں قتل میں عشاق کے اتنا ہے تغافل
مرجائیں گے ظالم دمِ شمشیر کے مشتاق

اے آہ ذرا شرم کہ وہ کہتے ہیں اکثر
مدت سے ہیں ہم آہ کی تاثیر کے مشتاق

سیماب تھا دل جلکے سو اب خاک ہوا ہے — لیجائیں مری خاک کو اکسیر کے مشتاق

کیا ہجر کے دن آنے میں ہی غدر سنیں تو — ہم ہیں ملک الموت کی تقریر کے مشتاق

دل سرد ہوا اُس کے ترے نالہ موزوں
تھے شیفتہ ہم حسنِ تاثیر کے مشتاق

رہ جائے کیوں نہ ہجر میں جاں آکے لب تلک — ہم آرزوے بوسہ یہ پیغام اب تلک

کہتے ہیں بیوفا مجھے میں نے جو یہ کہا — مرتے رہیں گے آپ پہ جیتے ہیں جب تلک

تمکین حسن ہے کہ نہ بیتاب ہو سکا — خلوت میں بھی کوئی قلقِ بے ادب تلک

آجائے کاش موت ہی تسکین ہو نہ ہو — ہر وقت بیقرار رہے کوئی کب تلک

وہ چشم التفات کہاں اب جو اس طرف — دیکھیں کہ ہے دریغ نگاہِ غضب تلک

ایسے کریم ہم ہیں کہ دیتے ہیں بے طلب — پہنچاؤ یہ پیام اجل جاں طلب تلک

مایوس لطف سے نہ کرے دشمنی شعار — امید سے اُٹھاتے ہیں ہم جور اب تلک

یہاں عجز نے رہا ہے نہ وہاں ناز دلفریب — شکوہ بیجا رہا گلہ بے سبب تلک

ایسی ہی بیقراری رہی متصل اگر
اے شیفتہ ہم آج نہیں بچتے شب تلک

طالع خفتہ دشمن نہ جگا تا شبِ وصل — دیکھ اے مرغِ سحر غل نہ مچا تا شبِ وصل

اُن کو منظور نہیں نیند کا آنا شبِ وصل
اس لیے کہتے ہیں غیروں کا فسانا شبِ وصل

صبر پڑ جانے کا مجھ پر نہ پڑے ڈرتا ہوں
ماہرو شمع کو ہرگز نہ جلانا شبِ وصل

خواہشِ کام دل اتنی نہ کرای شوق کہ وہ
ڈھونڈھتے ہیں چلے جانے کو بہانا شبِ وصل

آپ منّت سے بلانے نہ مجھے کیونکر آؤں
غیر کے گھر میں ہی تیرا تو ٹھکانا شبِ وصل

شان میں صحبتِ ناکس سے خلل آتا ہی
صبح ہجراں کو بس اب منہ نہ لگانا شبِ وصل

تیرگی بخت سیہ سے مری لیجا کہ ضرور
جلوہ اُس مہر لقا کا ہی چھپانا شبِ وصل

روزِ ہجراں میں اُٹھے جاتے ہو کیوں دنیا سے
شیفتہ اور بھی تم لطف اُٹھانا شبِ وصل

اصحابِ درد کو ہی عجب تیزیٔ خیال
مثلِ زبان نطق قلم کی زبانِ حال

عہدِ وفا کیا ہے نباہیں گے شک عبث
وعدہ کیا ہی آئیں گے بیجا ہے احتمال

کیا کچھ وہاں سے منزلِ مقصود پاس ہی
یا ایہا الذین سکنتم علی الجبال

ناز و غرور ٹھیک ہی جور و جفا درست
کس کے ہو النصیب یہ حسن اور یہ جمال

ساقی پلا وہ بادہ کہ غفلت ہو آگہی
مطرب سنا وہ نغمہ کہ ہو جس سے قال حال

ہم لگائے عشق والوں کی تقلید کیوں کریں
ای ہرزہ گیر نحن رجال و ہم رجال

اہلِ طریق کی بھی روش سب سے ہی الگ
جتنا زیادہ شغل زیادہ فراغ بال

ہنگام عہد کام میں لائے وہ ایسے لفظ
جن کو معانی متعدد پر اشتمال

ما و التنہین و انتن فی البیوت
ما و التقلتن و انتن فی المجال

یہ بات تو غلط ہے کہ دیوان شیفتہ
ق ہے نسخۂ معارف و مجموعۂ کمال

لیکن مبالغہ تو ہی البتہ اس میں کم
ہاں ذکر خد و خال اگر ہی تو خال خال

یہاں کے آنے میں نہیں اُنکو جو تمکین کا خیال
غالباً کچھ تو ہوا ہی میری تسکیں کا خیال

کفِ افسوس ملے سے بھی پڑے ہاتھ میں نقش
بسکہ ہی دل میں مرے دستِ نگاریں کا خیال

گو مجھے عاشقِ مفلس وہ کہیں طعنہ سے
تو بھی کیونکر نہ رکھوں ساعدِ سیمیں کا خیال

تعزیت کو مری وہ آئے تو کیا ذلت ہی
اہلِ ماتم کو نہیں بزم کی تزئیں کا خیال

کیوں نہ ہو دستِ مژہ ماتمیوں کا رنگیں
مرتے دم تھا مجھے اُس پنجۂ رنگیں کا خیال

سخنِ عشق ہی پتھر کی لکیر اے پرویز
دلِ فرہاد سے کیونکر مٹے شیریں کا خیال

کیا مسلمان ہیں ہم شیفتہ سبحان اللہ
دل سے جاتا نہیں دم بھر بتِ بیدیں کا خیال

بلبل کو بھی نہیں ہی دماغ صدائے گل
بگڑی ہی تیرے دور میں ایسی ہوائے گل

ہنگام عشق جو غیر کو اُس نے سنگھائے گل
جنت میں پہلی مری جاں کو ہوائے گل

ایسا ہی بعد مرگ بھی ہم ہیں وفا رہے
اس واسطے مزار پہ میرے چڑھائے گل

مرتی ہیں گل کے نام ہی پہ بلبلیں کہ اب	پھرتی ہیں ساتھ ساتھ مرے جب سے کھائے گل
کھٹکوں عدو کی آنکھ میں تا بعد مرگ بھی	کانٹے مرے مزار پہ رکھنا بجائے گل
کس کس طرح سے کھوئے گئے غیر کیا کہوں	روز جزا ابھی سینہ پہ میرے جو پائے گل
جلتی ہی تیرے حسن جہاں سوز سے بہار	نکلیں گے شعلے خاک چمن سے بجائے گل
آخر دورنگی اُس گل رعنا پہ کھل گئی	لوگوں کو دیکھکر جو عدو نے چھپائے گل
عاشق سے پہلے راہ محبت میں جان دی	کیونکہ نہ عندلیب کرے جان فدائے گل
خاموش عندلیب کہ طاقت نہیں رہی	ہیں چاک پردے کان کے مثل قبائے گل
شاید دکھانے لائیگا اُسکو کہ غیر نے	بستر پہ میرے کانٹوں کے بدلے بچھائے گل
جس گل میں ہی ادا وہ چمن میں بھلا کہاں	ای بلبلو تمھیں کو مبارک ادائے گل
ہیرا اُنھیں کو غم ہی کہ بلبل کی آہ پر	کرتا ہی کون چاک گریباں سوائے گل
جنت میں پہنچیں بلبلیں پروانے جل گئے	اب کون شمع گور پہ اور کون لائے گل
اک گل کا شوق تھا سبب اپنی وفات کا	پھولوں کے دن مرے رفقا نے منگائے گل

لکھی یہ ہم نے وہ غزل تازہ شیفتہ
ہر شعر جس میں داغ دہ دستہ ہائے گل

گو ہم سے خفا وہ ہیں گے اُن سے خفا ہم	مدت سے اسی طرح بنی جاتی ہے باہم

کرتے ہیں غلط یار سے اظہار وفا ہم — ثابت جو ہوا عشق کجا یار کجا ہم
کچھ نشۂ مے سے نہیں کم نشۂ نخوت — تقویٰ میں بھی صہبا کا اٹھاتے ہیں مزا ہم
موجود ہے جو لاؤ جو مطلوب ہو وہ لو — مشتاق وفا تم ہو طلبگار جفا ہم
نے طبع پریشاں تھی نہ خاطر متفرق — وہ دن بھی عجب تھے کہ ہم اور آپ تھے باہم
کیا کرتے ہیں کیا سنتے ہیں کیا دیکھتے ہیں ہائے — اُس شوخ کے جب کھولتے ہیں بند قبا ہم

یہ طرز ترنم کہیں زنہار نہ ڈھونڈھو
اے شیفتہ یا مرغ چمن رکھتے ہیں یا ہم

مر گئے ہیں جو ہجر یار میں ہم — سخت بیتاب ہیں مزار میں ہم
تا دل کینہ ور میں پائیں جگہ — خاک ہو کر ملے غبار میں ہم
آمد آمد میں اسقدر شورش — دیکھئے کیا کریں بہار میں ہم
وہ تو سو بار اختیار میں آئے — پر نہیں اپنے اختیار میں ہم
کب ہوئے خار راہ غیر بھلا — کیوں کھٹکتے ہیں چشم یار میں ہم
کوئے دشمن میں ہو گئے پامال — آمد و رفت بار بار میں ہم
نعش پر تو خدا کے واسطے آ — مر گئے تیرے انتظار میں ہم

گر نہیں شیفتہ خیالِ فراق

کیوں تڑپتے ہیں وصل یار میں ہم

مطبوع یار کو ہی جفا اور جفا کو ہم
کہتی ہی بد عدو کو وفا اور وفا کو ہم

دشنام بھی سُنے نہ تمھاری زبان سے
ہی کوستی اثر کو دعا اور دعا کو ہم

افغان چرخ رس کی لپٹ نے جلا دیا
نامہ کو ڈھونڈھتی ہی صبا اور صبا کو ہم

لاتا ہی ظن نیم تبسم سے جوش میں
دل کو قلق قلق کو بکا اور بکا کو ہم

درماں مریض غم کا ترے کچھ نہ ہو سکا
چھیڑے ہی چارہ گر کو دوا اور دوا کو ہم

پھر کیوں نہ دیکھنے سے عدو کے ہو منفعل
پھر اُس کو دو کہتی ہے حیا اور حیا کو ہم

ہیں جاں بلب کسی کے اشارے کی دیر ہی
دیکھے ہی اُس نگہ کو قضا اور قضا کو ہم

ہی آرزوے شربت مرگ اب تو شیفتہ
لگتی ہی نہ ہر ہمکو شفا اور شفا کو ہم

سمجھتے ہیں اسقدر جو اُدھر کی ہوا سے ہم
واقف ہیں شیوۂ دل شورش ادا سے ہم

افشاے راز عشق ہیں ضرب المثل ہے وہ
کیونکہ غبار دلمیں نہ رکھیں صبا سے ہم

چلتے ہیں میکدہ کو کہاں یہ عزیز وہاں
رخصت تو ہو لیں کبر و نفاق و ریا سے ہم

اے جوش رشک قرب عدو اب تو مست اُٹھا
بیٹھے ہیں دیکھ بزم میں کس التجا سے ہم

ہی جامہ پارہ پارہ دل و سینہ چاک چاک
دیوانہ ہو گئے گل جیب قبا سے ہم

کیا جانتے تھے صبح وہ محشر قد آئیگا
شام شبِ فراق نہ مرتے بلا سے ہم

ہر بات پر نگاہ ہماری ہی اصل پہ
لیتے ہیں مشک ختن کو زلفِ دوتا سے ہم

بیگانہ جب سے یار ہوا ہی رقیب سے
امید قطع کر چکے ہر آشنا سے ہم

بلبل یہ کہہ رہی ہی سرِ شاخسار پہ
بدمست ہو رہے ہیں چمن کی ہوا سے ہم

کم التفات ہم سے سمجھتے ہیں اہل بزم
شرمندہ ہو گئے تری شرم و حیا سے ہم

ہاں شیفتہ پھر ہمیں نصیحت ہی کیوں نہ ہو
سنتے ہیں حرفِ تلخ کو سمعِ رضا سے ہم

کم فہم ہیں تو کم ہیں پریشانیوں میں ہم
دانائیوں سے اچھے ہیں نادانیوں میں ہم

شاید رقیب ڈوب مریں بحرِ شرم میں
ڈوبیں گے موجِ اشک کی طغیانیوں میں ہم

محتاجِ فیضِ نامیہ کیوں ہوتے اسقدر
کرتے جو سوچ کچھ جگر افشانیوں میں ہم

پہنچائی ہم نے مشق یہاں تک کہ ہو گئے
اُستادِ عندلیب نواخوانیوں میں ہم

غیروں کے ساتھ آپ بھی اُٹھتے ہیں بزم سے
لو میزبان بن گئے مہمانیوں میں ہم

جن جن کے تو مزار سے گذرا وہ جی اُٹھے
باقی رہے ہیں ایک سے فانیوں میں ہم

گستاخیوں سے غیر کی اُنکو ملال ہے
مشہور ہوتے کاش ادب دانیوں میں ہم

دیکھا جو زلفِ یار کو تسکین ہو گئی
یک چند مضطرب تھے پریشانیوں میں ہم

آنکھوں سے یوں اشارۂ دشمن نہ دیکھتے
ہوتے نہ اسقدر جو نگہبانیوں میں ہم

جو جان کھو کے پائیں تو فوز عظیم ہے
وہ چیز ڈھونڈھتے ہیں تن آسانیوں میں ہم

پیر مغاں کے فیض توجہ سے شیفتہ
اکثر شراب پیتے ہیں روحانیوں میں ہم

کیوں نہ اڑجائے مرا خواب ترے کوچے میں
فرش ہی مخمل و کمخواب ترے کوچے میں

دولت حسن یہاں تک تو لٹائی ظالم
اشک ہی گوہر نایاب ترے کوچے میں

جوشش گریۂ عشاق سے اکدم میں ہوا
شجر سوختہ شاداب ترے کوچے میں

ہوش کا پاؤں جو یہاں آکے پھسل جاتا ہے
کیا لنڈھائی ہی مئے ناب ترے کوچے میں

ہے کف پا عدو پا سے تری رنگیں تر
بسکہ ہم روتے ہیں خوناب ترے کوچے میں

گوشہ گیری سے بھی گردش نہ گئی طالع کی
پھرتے ہیں صورت دولاب ترے کوچے میں

غیر نے سنگ جو پھینکے وہ ہوے بالش سر
چین سے کرتے ہیں ہم خواب ترے کوچے میں

وہ بھی محروم نہیں جن کو نہیں بزم میں بار
ترے رخسار کی ہی تاب ترے کوچے میں

چلدیا شیفتہ سے وہیں خدا جانے کہاں
ڈھونڈھتے پھرتے ہیں احباب ترے کوچے میں

کچھ درد ہی مضطربوں کی سے لئے ہیں
کچھ آگ بھری ہوئی ہے سینے میں

کچھ زہر اُگل رہی ہے بلبل
کچھ زہر ملا ہوا ہے مے میں

بدمست جہان ہو رہا ہے
ہی یار کی بو ہر ایک شے میں

ہیں ایک ہی گُل کی سب بہاریں
فرو دیں میں اور فصل دے میں

ہے مستیٔ نیم خام کا ڈر
اصرار ہے جام پے بہ پے میں

میخانہ نشیں قدم نہ رکھیں
بزم جم و بارگاہ کے میں

ابتک زندہ ہی نام وہاں کا
گذرا ہے حسین ایک سخے میں

ہوتی نہیں سطے حکایت سطے
گذرا ہے کریم ایک سطے میں

کچھ **شیفتہ** یہ غزل ہے آفت
کچھ درد ہے مطربوں کی لے میں

روز خوں ہوتے ہیں دو چار ترے کوچے میں
ایک ہنگامہ ہے ای یار ترے کوچے میں

فرش رہتا ہیں دل افگار ترے کوچے میں
خاک ہو رونق گلزار ترے کوچے میں

سرفروش آتے ہیں اے یار ترے کوچے میں
گرم ہی موت کا بازار ترے کوچے میں

شعر یہ اب نہ کہو گا کہ کوئی پڑھتا تھا
اپنے حالی مرے اشعار ترے کوچے میں

نہ ملا ہم کو کبھی تیری گلی میں آرام
نہ ہوا ہم پہ جز آزار ترے کوچے میں

ملک الموت کے گھر کا تھا ارادہ اپنا
لے گیا شوق غلط کار ترے کوچے میں

تو ہے اور غیر کے گھر جلوہ طرازی کی ہوس
ہم ہیں اور حسرتِ دیدار ترے کوچے میں

ہم بھی وارستہ مزاجی کے ہیں اپنی قائل
خلد میں روح تن آزار ترے کوچے میں

کیا تجاہل سے یہ کہتا ہے کہاں رہتے ہو
تیرے کوچے میں ستمگار ترے کوچے میں

شیفتہ ایک نہ آیا تو نہ آیا کیا ہے
روز آ رہتے ہیں دو چار ترے کوچے میں

شکوہ جفا کا کیجے تو کہتے ہیں کیا کروں
تم سے وفا کروں کہ عدو سے وفا کروں

گلشن میں چلکے بند قبا ترے وا کروں
جی چاہتا ہے جامۂ گل کو قبا کروں

آتا ہوں پیر دیر کی خدمت سے مست میں
ہاں زاہدو تمھارے لیے کیا دعا کروں

جوشِ فغاں وداع کہ منظور ہے اُنھیں
دل تند کاوشِ نگہِ سرمہ سا کروں

نفرین بیشمار ہے اس عہدِ وسہو پر
گر ایک میں صواب کروں سو خطا کروں

مطرب بدیع نغمہ و ساقی پری جمال
کیا شرح حالتِ دلِ درد آشنا کروں

تم دلربا ہو دل کو اگر لے گئے تو کیا
جب کاہ ہو گئے ہیں اثر کہربا کروں

اے چارہ ساز لطف کہ تو چارہ گر نہیں
بس اے طبیب رحم کہ دل کی دوا کروں

پیتا ہوں میں مدام مئے ناب معرفت
اصلِ سرورِ دام خباثت کو کیا کروں

یا اپنے جوشِ عشوۂ پیہم کو تھامیے
یا کیجیے میں بھی نالۂ شورش فزا کروں

میں جل گیا وہ غیر کے گھر جو چلے گئے
شعلے سے استعارہ آواز پا کروں

ڈر ہے کہ ہو نہ شوق مزامیر شیفتہ
ورنہ کبھی سماع مجرّد سنا کروں

مانا سحر کو یار اُسے یہاں جلوہ گر کریں
طاقت ہمیں کہاں کہ شبِ غم سحر کریں

تزیین میری گور کی لازم ہی خوب سی
تقریب سیر ہی سے وہ شاید گذر کریں

اب ایک اشک ہی دُرِ نایاب وہ کہاں
تارِ نظر جو گریہ سے سلکِ گُہر کریں

وہ دوست ہیں اُنھیں ہوا اثر ہو گیا تو کیا
نالے ہیں وہ جو غیر کے دلمیں اثر کریں

آئے تو اُنکو رنج نہ آئے تو مجھکو رنج
مرنے کی میری کاش نہ اُنکو خبر کریں

ہی جی میں سونگھیں نکہتِ گل جاکے باغ میں
بس کب تلک التجائے نسیم سحر کریں

اب کی ارادہ ملکِ عدم کا ہی شیفتہ
گھبرا گئے کہ ایک جگہ کیا بسر کریں

شب وصل کی بھی چین سے کیونکر بسر کریں
جب یوں نگاہبانی مرغ سحر کریں

محفل میں اک نگاہ اگر وہ اِدھر کریں
سو سو اشارے غیر سے پھر رات بھر کریں

طوفان نوح لانے سے ای چشم فائدہ
دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

آرزو ہوس سے خلق ہوا ہی یہ نامراد
دلپر نگاہ کیا ہے وہ مجھپر نظر کریں

کچھ اب کی ہم سے بولے تو یہ جی میں ہے کہ پھر
وہاں ہے وہ نغمہ جس سے کہ حوروں کے ہوش جائیں

ناصح کو بھی رقیب سے آزردہ تر کریں
یہاں ہے وہ نالہ جس سے فرشتے حذر کریں

اہلِ زمانہ دیکھتے ہیں عیب ہی کو بس
کیا فائدہ جو شیفتہ عرضِ ہنر کریں

کب ہاتھ کو خیالِ جزائے رفو نہیں
کب پارہ پارہ پیرہنِ چارہ جو نہیں

گلگشتِ باغ کس چمن آرائے کی کہ آج
موجِ بہار مدعی رنگ و بو نہیں

واں بار ہو گیا ہے نزاکت سے ناز بھی
یہاں ضعف سے دماغ و دلِ آرزو نہیں

کس نے سنا دیا دلِ حیرت زدہ کا حال
یہ کیا ہوا کہ آئینہ اب روبرو نہیں

تغیرِ رنگ کہتی ہے وصلِ عدو کا حال
یعنی نقاب غنچہ کبھو ہے کبھو نہیں

گستاخ شکوہ کیا ہوں کہ اندازِ عرض پہ
کہتے ہیں اختلاط کی بندے کی خو نہیں

کیا جانے دردِ زخم کو گو ہو شہیدِ ناز
جو ہم کشتہ خنجرِ رشکِ عدو نہیں

ابرِ سرشک و گلشنِ داغ و نسیمِ آہ
ساماں عیش سب ہے پہ افسوس تو نہیں

بدخوئیوں سے یار کی کیا خوش ہوں شیفتہ
ہر ایک کو جو حوصلۂ آرزو نہیں

کچھ اور بیدلی کے سوا آرزو نہیں
اے دل یقین جان کہ ہم ہیں تو تو نہیں

نے اشک لالہ گوں بھی ہیں مرے آبرو نہیں
آنسو میں رنگ کیا ہو کہ دل میں لہو نہیں

پھر بھی کہو گے چھیڑنے کی اپنی خو نہیں
عطرِ سہاگ ملتے ہو وہ جسمیں بو نہیں

یہ کیا کہا کہ بکتے ہو کیوں آپ ہی آپ تم
اے ہمنشیں مگر وہ مرے روبرو نہیں

بے طاقتی نے کام سے یہ کھو دیا کہ بس
دل گم ہوا ہی اور سرِ جستجو نہیں

محفل میں لحظہ لحظہ وہ چشمِ ستیزہ خو
لڑتی ہیں کیوں اگر سرِ صلحِ عدو نہیں

کیا جوش انتظار میں ہر سمت دوڑے ہے
بدنامیوں سے ہائے گذر اکسو نہیں

دی کس نے اشکِ سرمہ سے تیغِ مژہ کو آب
شورِ فغاں کو فکرِ خراشِ گلو نہیں

یہ پیچ و تاب ہیں شبِ غم نے حواسیاں
اے دل خیالِ طرۂ تابیدہ مو نہیں

دستِ جنوں نے جامۂ ہستی قبا کیا
اب ہائے چارہ گر کو خیالِ رفو نہیں

شکلِ ستم بھی راس نہ آیا ہمیں کہ اب
کہتے ہیں وہ کہ لائقِ الطاف تو نہیں

ہرجائی اپنے وحشی کو کس منہ سے کہتے ہو
کیا آپکا نشانِ قدم کو بکو نہیں

نیرنگیوں نے تیری یہ حالت تغیر کی
امید زندگی کی کبھو ہے کبھو نہیں

کیا ہو سکے کسی سے علاج اپنا شیفتہ
اس گل بغیر ہاں جسے صحبت کی بو نہیں

ہم سے آزاد روش ہاتھ میں زر رکھتے ہیں
کیا قیامت ہے کہ اب سرو ثمر رکھتے ہیں

شکر ہیں وصل کی شب کی قفسِ چرخ سے ہم
فکرِ آزادیِ مرغانِ سحر رکھتے ہیں

نہ مذمت کا تحمل نہ ثنا کی خواہش
عیب رکھتے ہیں نہ ہم کچھ نہ ہنر رکھتے ہیں

دل ترا سنگ ہی پر آگ کہاں ہی اس میں
دل ہمارا ہی کہ شیشہ میں شرر رکھتے ہیں

آہ و زاری کی مصیبت سے بہت سہل چھٹے
بذلہ و ہزل ترے دل میں اثر رکھتے ہیں

نہ ہمارا کوئی دشمن نہ ہمارا کوئی دوست
وہ نظر اور ہی جو اہلِ نظر رکھتے ہیں

بیخودی ہمکو ہی اور انکو خود آرائی ہی
نہ ہماری وہ نہ ہم انکی خبر رکھتے ہیں

شیفتہ ہم سے ہو جس شخص کو ملنا مل لے
صبح اس شہر سے ہم عزمِ سفر رکھتے ہیں

گرمجوشی ہی مگر فرق شرارت میں نہیں
چھیڑ کس بات میں طعنہ کس اشارت میں نہیں

رات ساقی نے کہا جس کے یہ سب جلوے ہیں
وہ عبارت میں نہیں اور اشارت میں نہیں

ہمکو مقصد سے زیادہ ہی ادب میں کوشش
ورنہ کچھ غیر سوا ہم سے جسارت میں نہیں

رندِ فارغ بھی ہوئے جامِ سحرگاہی سے
اور زاہد ابھی آہنگِ طہارت میں نہیں

فرحتِ نفس جو وہ ہی تو یہ ہی راحتِ روح
کیا بزرگی میں مزا ہی جو حقارت میں نہیں

اہلِ دانش کے فوائد کی تو کیا بات مگر
غور سے دیکھو تو عاشق بھی خسارت میں نہیں

جامِ مے دے کہ وہاں کام پڑا ہی مجھکو
کہ صبا کو بھی جہاں دخل سفارت میں نہیں

قتل و غارت کہ سمجھتے ہو جسے امرِ عظیم
یہ تو داخل بھی وہاں ناز و شرارت میں نہیں

دل کے بدلے ہیں طلبگار نہیں کچھ تم سے
شیفتہ زمرۂ اصحابِ تجارت میں نہیں

نہ سجدہ ریز ہیں اعدا جو سر جھکاتے ہیں
یہ افریب ہے نقشِ قدم مٹاتے ہیں

چراغ وقفِ محبت نے کر دیا افسوس
کہ مجھکو اپنی پرائے سبھی جلاتے ہیں

جو اُن سے نقشۂ صحبت یہی رہا چندے
تو دیکھو گے کہ ہم عشق کیا نبھاتے ہیں

میں اُس کے لطف کی باتوں کے دھیان میں چپ ہوں
کہاں ہے غش پہ رفقا عطر کیوں سنگھاتے ہیں

شبِ وصال میں تا کیفیت اُٹھا نہ سکوں
وہ مجھکو ساغرِ مے متصل پلاتے ہیں

تمھاری بات میں کیا آگیا ہے شیفتہ ذوق
کہ مدعی بھی کچھ اب مدعا بتاتے ہیں

عذر اک ہاتھ لگا ہے اُنھیں یہاں آنے میں
کیوں کہا میں نے کہ چلیے مرے غمخانے میں

سیرِ وحشت کو جو اک خلق چلی آتی ہے
شہر آباد ہوا ہے مرے ویرانے میں

ہم بھی محروم سہی غیر تو ہوں گے محروم
لطف آجائے کہیں یار کو شرمانے میں

یہ تو سچ ہے کہ کجا محتسب و بادہ کشی
پھر بایں جوش یہ کیوں آتے ہیں میخانے میں

لے لیا پنجۂ گلگوں میں جو اپنے تو نے
ہم نے جانا ہے جڑے لعل ترے شانے میں

سچ کہا غیر کو گھر نیند نہ آئی ہوگی — فرش ہی مخمل کاشاں تیرے کاشانے میں
شیفتہ سن کے وہ دیتے ہیں جو لاکھوں دشنام — اثرِ بادہ ہی گویا مرے افسانے میں

ہے ستم کے رشک کا اُنکے گماں میں امتحاں — غیر کا کرتے ہیں میرے امتحاں میں امتحاں
آرزو ہی مرگ بھی روزِ جدائی مر گئے — کر لیا تاب و اثر کا اک فغاں میں امتحاں
چھیڑ تو دیکھو کہ بعد از قتل مجھسے یہ کہا — آپ کا ہرگز نہ تھا اپنے گماں میں امتحاں
دیکھکر آئینہ دیکھیں ہم ہنسیں گے یا نہیں — لیجئے غم کا لیں گے سیرِ زعفراں میں امتحاں

اُن کے کوچے میں تمہیں لیجاؤں کیونکہ شیفتہ
کہہ چکا ہوں تمکو سیرِ گلستاں میں امتحاں

تنگ بھی جا خاطرِ ناشاد میں — آپ کو بھولے ہم اُن کی یاد میں
کیونکر اُٹھتا ہی خدا رنجِ قفس — مر گئے ہم تو کفِ صیاد میں
وہ جو ہیں تاریخ سے واقف بتائیں — فرق بادِ آہ و بادِ عاد میں
یہاں امیدِ قتل ہی نے خوں کیا — رہ گئی حسرت دلِ جلاد میں
بے تعلق پن بھی آخر قید ہے — قید پائی خاطرِ آزاد میں
غمزۂ شیریں ہی کی دولت سے تھا — جو اثر تھا تیشۂ فرہاد میں
کیوں خبر پوچھی ترا بیمار ہائے — مر گیا شورِ مبارکباد میں

بے تکلف جی میں جو آئے کرو
کیا دھرا ہے نالہ و فریاد میں

دھیان تجھکو ہو نہ ہو پر شیفتہ
رات دن رہتا ہی تیری یاد میں

ہی امتزاج مشک مئے لعل فام میں
آتی ہے بوئے عنبر ہمارے مشام میں

پہنچے کہاں تصرف ساقی سے اہل بزم
پہنچے نہیں شراب صراحی سے جام میں

تا فرق آئے بات میں فرمائشیں وہ کیں
تعجیل جن کی ہو نہ سکے انصرام میں

اب کچھ ہمیں غنا سے تعلق نہیں رہا
جوش و تپش کو بار نہیں اس مقام میں

اس لطف سے کہاں ہی نسیم چمن میں بو
جو لطف بھر رہا ہی تمہارے پیام میں

ہی شرط عشق یہ کہ نہ غفلت ہو ایک دم
کیسا ہی دل پھنسا ہو امور عظام میں

آئی جو آج کام میں صہبائے تند و تلخ
ساقی نے خوب راز کہے بار عام میں

آہو کی بخت آئے جو تیرے کمند میں
بلبل کی قسمت آئی اگر تیرے دام میں

تمکو نہیں جو عجب تعجب ہی شیفتہ
ہی فی زماننا یہ سرشت کرام میں

ارشاد آہ دل زار کی افواہیں ہیں
یعنی مجھپر کرم یار کی افواہیں ہیں

شرم اسے نالہ دل خانہ اغیار میں بھی
جوش افغان عزا بار کی افواہیں ہیں

کب کیا دل میں مرے پند و نصیحت نے اثر
ناصح بیہودہ گفتار کی افواہیں ہیں

جنس دل کی وہ خریدار ہوئے تھے کس دن
یہ یونہیں کوچہ و بازار کی افواہیں ہیں

قیس و فرہاد کا منہ مجھ سے مقابل ہونگے
مردم وادی و کہسار کی افواہیں ہیں

یہ بھی کچھ بات ہی ہیں اور کروں غیر سے بات
تم نہ مانو کہ یہ اغیار کی افواہیں ہیں

کس توقع پہ جئیں شیفتہ مایوس کرم
غیر پر بھی ستم یار کی افواہیں ہیں

خوش رو و بد خو ہیں کیا میں چاہوں
بیگانوں سے کیونکر آشنا ہوں

مت چھیڑ کہ یار سے جدا ہوں
اے مرگ میں آپ مر رہا ہوں

ممکن نہیں ان سے ملے نباہوں
بیگانہ آشنا نما ہوں

لیلےٰ کہے سے بگڑ گئی تھی
دیوانہ میں جانکے بنا ہوں

کہتا ہوں جو غیر سے نہ ملئے
کہتا ہے کہ کیا میں بیوفا ہوں

روشن ہے مری سیاہ بختی
منت کش سایۂ ہما ہوں

بیگانہ وشی ستم ہے اُن کی
عیزوں کو بھی یار جانتا ہوں

اُس غیرت گل سے ربط معلوم
ہر چند میں ہمدم صبا ہوں

ہمدم نہ سہی محبت اُس کو
اس بات پہ کیا اُسے نہ چاہوں

دی غیر کو اُس نے کب عرقِ چیں
میں شرم سے آب کیوں ہوا ہوں

دیکھا نہیں مجھکو سُنتے ہیں وہ
کیا پائے رقیب کی صدا ہوں

مکشوف ہوا فروغِ مے سے
ذرّہ ہیں کس آفتاب کا ہوں

ہیں **شیفتہ** ہوں عزیز دلہا
شیریں گفتار خوش نوا ہوں

عہدِ ثبات عہد پہ ہے متصل نہیں
ای شیفتہ نوید وہ پیماں گسل نہیں

الفت چھپا کے اور بھی شرمندہ میں ہوا
اظہار عشق غیر سے وہ منفعل نہیں

مت چھیڑ اے رقیب کہ مانند زلفِ یار
ہر تا بپا شکستہ ہوں پر مضمحل نہیں

دل سختیاں سہے یہ کہاں نازکی تن
دلّی کے سنگدل تو بتانِ چگل نہیں

کیا رویئے کہ تذکرہ سوز رشک سے
وہ گل عرق عرق تو ہی لیکن خجل نہیں

پتھر رہ اور ہم جیسے مشکل ہے ٹالنا
فرہاد بے ستون تو سینہ کی سِل نہیں

جو حال پوچھنا ہو تم اُس سے ہی پوچھ لو
مجھکو دماغ قصۂ غم ہائے دل نہیں

ہلائے کوئی جا کے کہاں جی کو ہائے ہائے
صحرائے قیس گھر کے مرے متصل نہیں

لگ جاؤ اتنو آؤ گلے سب چلے گئے
اک **شیفتہ** رہا ہی سو وہ کچھ مخل نہیں

کن حسرتوں سے مرتے ہیں ہم تمکو غم نہیں
اپنے بھی مرگ مرگ تمنا سے کم نہیں

قاصد کے ساتھ بے ادبی ہوگی لا کلام
جز شکوہ اور کچھ مرے خط میں رقم نہیں

ہر شغل میں اہم ہے نگہبانی نفس
اس سے سوا جہان میں شغلِ اہم نہیں

ہرگز نہ چھپائے چمن زار عشق میں
جو مرغ آتشیں نفس شعلہ دم نہیں

سو بار امتحان وفا کر چکے پر آہ
ابتک بھی دوستی تمھیں دشمن سے کم نہیں

حیرت فروغ آئینۂ دل ہے وصل میں
نے وجہ ہی عتاب کہ آنکھوں میں نم نہیں

افسون پیر دیر کی تاثیر ہائے ہائے
وہم و خیال میں بھی شراب و صنم نہیں

آنکھوں کو نے ہوس کہ رخِ سادہ دیکھیے
سر میں ہوائے طرۂ پر پیچ و خم نہیں

دشمن کہیں گیا نہ ہو آنکھوں سے شیفتہ
اُس کی گلی میں آج نشانِ قدم نہیں

مجھے عاشق جو دیکھا پیرِ کنعاں نے جوانی میں
کہا کچھ تو بسر کی ہوتی تم نے شادمانی میں

جلے کیا کیا نہ عرضِ سوزشِ داغِ نہانی میں
عجب آرام تھا اے شمع ہمکو بے زبانی میں

عدو سے بات کی جب حرف آیا بیدہانی میں
غرورِ حسن کم ہوتا ہے الطافِ زبانی میں

یہ احسانِ اجل ہے شمع و گل جو گور پر لائے
یہ اُس کا کام ہے جو داغ رکھے زندگانی میں

کرم ہے مصلحت ظالم کہ شادی مرگ ہو جاؤں
ستم ہے فائدہ جب کام نکلے مہربانی میں

قلق سے نالۂ موزوں نکل گئے تو کہتے ہیں
تمھیں کیا غم گذرتی ہی تمھاری شعرخوانی میں

عدو بھی شاملِ لذت ہیں اس سے کاش ہم ہوتے
مزا آتا نہیں مجھکو تری شیریں زبانی میں

عدو سے کیوں اشارے اور ہم سے کیوں تغافل ہی
سزا ہی یہ ہمیں دعوی بہت تھا رمزدانی میں

سبک ہوتے ہو بس اے شیفتہ ایسی ہی باتوں سے
کہ تم سر پاؤں پر رکھتے ہو وہ ہی سرگرانی میں

کب نگہ اس کی عشوہ بار نہیں
کب نگاہیں کرشمہ زار نہیں

غیر پر رحم یہ کسے آیا
تم تو مانا ستم شعار نہیں

یہاں فغاں سے لہو ٹپکتا ہی
میں نوا سنج شاخسار نہیں

کلفتِ دل سے ہی جو آلودہ
گوہرِ اشک آبدار نہیں

ہم ہیں ایسے فراخ رو درویش
محفلِ پادشا سے عار نہیں

نہ جلا خانۂ عدو تو نہ ہنس
شعلۂ آہ ہی شرار نہیں

باغ بے صرفہ چلکے کیا کیجے
جب سے بھی باغ کی بہار نہیں

بادہ بیہودہ پی کے کیا کیجے
اب وہ ساقی نہیں وہ یار نہیں

اے منجم عبث یہ نادانی
تو کچھ اندازہ دان کار نہیں

تو روش یابِ مہر و ماہ غلط
تو اداسنج روزگار نہیں

واقف اسرار آسمانی سے — جز حریفانِ بادہ خوار نہیں

چڑھ گئے ہیں کسی کے پھر دم پر
شیفتہ آج بیقرار نہیں

کون سے دن تری یادِ بتِ سفاک نہیں — کونسی شب ہی کہ خنجر جگر چاک نہیں
لطف قاتل میں تامل نہیں پر کیا کیجے — سرِ شوریدہ میرا قابلِ فتراک نہیں
تجھ پہ اے دلبرِ عالم جو ہر ایک مرتا ہے — اس لیے مرنے سے میرے کوئی غمناک نہیں
دل ہوا پاک تو پھر کون نظر کرتا ہے — اور دل پاک نہیں ہی تو نظر پاک نہیں
علم اور جہل میں کچھ فرق نہو کیا معنے — ہم بھی بیباک ہیں پر غیر سے بیباک نہیں
کس کو فضل تقدم ہے وگرنہ یہاں کیا — سرِ شوریدہ نہیں یا جگرِ چاک نہیں

ماسوی اللہ نہ رہے **شیفتہ** ہرگز دلمیں
خسروی کاخ سرائے خس و خاشاک نہیں

کون ہی شہر میں جو کام ہوس یاب نہیں — کس جگہ زلف کی بو رخ کی تری تاب نہیں
مجھ سے اس جلوے سے جو کچھ کہ گذرتی ہی نہ پوچھ — اسقدر شعلہ کبھی آفتِ سیماب نہیں
برق و باراں کے تلاطم کا کہاں تک مذکور — رخ پر نور نہیں دیدہ پر آب نہیں
وضع کا حفظ ہی تو عشرتِ صحبت معلوم — بزمِ اغیار سے کم محفلِ احباب نہیں

اہلِ تحقیق کے نزدیک رُخِ زیبا کو
پردۂ شرم سے بہتر کوئی جلباب نہیں

سیرِ مہتاب کا وہاں عزم ہوا کیا موقوف
شبِ مہتاب میں لطفِ شبِ مہتاب نہیں

فیضِ حق عام ہے افسردہ دلِ زار نہ ہو
دشت کیا جلوہ گہِ لالۂ شاداب نہیں

خواب میں بھی وہ نظر آئے ہمیں غیر کے ساتھ
تلخ عیشوں کو مقرر کہ شکر خواب نہیں

کیا وہ صحرا کہ جہاں شور نہ ہو رہزن کا
کیا وہ دریا کہ جہاں پیچشِ گرداب نہیں

پارسا کیا ہوئے تم شیفتہ شادی بھی ہوئے
باغ کو چلتے ہو اور ساتھ مئے ناب نہیں

تازہ تمکیں ہے وہاں صبر کی یہاں تاب نہیں
یہی صورت ہے تو کچھ نبھنے کے اسباب نہیں

طرفہ نیرنگ محبت میں نظر آتے ہیں
برق آنکھوں سے ٹپکتی ہے یہ خونِ ناب نہیں

ہائے وہ شوقِ ملاقات عدو میں جاگے
جس کے آنکھوں کے تصور میں مجھے خواب نہیں

منع کیوں عشقِ مجازی سے ہمیں کرتے ہو
زاہد و دہر مگر عالمِ اسباب نہیں

جان کی شکل دکھائی ہے بنا کر تجھکو
دل کی تصویر بنائی ہے یہ سیماب نہیں

بحر و بر میں کہیں آرام نہیں خاطر خواہ
بحر میں خار نہیں دشت میں گرداب نہیں

کہیئے اعدا کی بھی کچھ دلشکنی ہی منظور
یہ تو مانا کہ تمہیں خاطرِ احباب نہیں

کلفت آلودہ نظر پڑتی ہے مشتاقوں پر
خندۂ بزم میں بھی صرفِ مئے ناب نہیں

کل یوم ہو فی شان کی ہی جلوہ گری
اور وجہ شب تار و شب مہتاب نہیں

شکوہ آئینِ محبت میں ہی ایجادِ لطیف
نسخۂ اصل میں ہر چند کہ یہ باب نہیں

غمزہ نادر طلب اور عشوہ ہی نایاب پسند
جنس یہاں دل ہی سو نادر نہیں نایاب نہیں

شیفتہ عشق کی یہ دھوم اور اب تک حضرت
دلِ بیتاب نہیں دیدۂ بیخواب نہیں

جی جائے پر جفا میں ہمارا زیاں نہیں
قدرِ وفا نہیں ہی اگر امتحاں نہیں

ہم بھی دکھاتے غیر سے اخلاص کا مزا
آفت تو یہ پڑی ہی کہ تم بدگماں نہیں

جو دیکھنا ہو دیکھ لیں اختر شناس جلد
نالے اگر یہی ہیں تو پھر آسماں نہیں

اسرارِ عشق بھی جو حریفوں نے کہہ دیئے
پھر اب کوئی یہاں ہیں رازِ نہاں نہیں

ہم آئے ہیں جہاں سے وہیں کا خیال ہے
جز شاخِ سدرہ ہمکو سرِ آشیاں نہیں

واں شوقِ داستاں ہی یہاں داستانِ شوق
پر کیا کروں کہ دوست کوئی قصہ خواں نہیں

حرفِ درشت غیر سبک وضع بھی سہی
میں وہ ہوں جس پہ بارِ امانت گراں نہیں

رنگیں تھی بے گناہوں کے خوں سے سوادِ شہر
حال آنکہ واں ہنوز سرِ امتحاں نہیں

حکمت ہی ہو گی برق جو دے ہمکو جائے دل
نے مصلحت صلاح و فسادِ جہاں نہیں

کیوں عارِ بزمِ شاہ سے کرتے ہیں اہلِ فقر
کچھ فرشِ بوریا سے تو کم پرنیاں نہیں

چلئے چمن کو بجم سحر جلوہ گر ہوا
پروین نہیں نبات نہیں کہکشاں نہیں

کیونکر سنیں وہ شہرت اگر کو بکو ہوا
افسوس کم شکیب مرا رازداں نہیں

آئینہ جلوہ گاہ پری ہے نہ دیکھنا
نظارۂ پری کی بشر کو تواں نہیں

ہم نے بھی ہزل و بذلہ گوارا کیا کہ یہاں
فخرِ فضیلت و شرف دودماں نہیں

مشہور روزگار ہی محسود روزگار
بے التفاتیوں سے ہمارا زیاں نہیں

گر ہی فریب غمزۂ بیداد وارثہ بھی
دلداری ایک شہر کی مشکل وہاں نہیں

کچھ ہم پر آپ پر نہیں موقوف شیفتہ
کس کس کے دلپذیر وہ رعنا جواں نہیں

دل کا گلہ فلک کی شکایت یہاں نہیں
وہ مہرباں نہیں تو کوئی مہرباں نہیں

ہم آج تک چھپاتے ہیں یاروں سے رازِ عشق
حالانکہ دشمنوں سے یہ قصہ نہاں نہیں

زیبا نہیں ہے دوست سے کرنا معاملہ
کچھ ورنہ نازِ جان کے بدلے گراں نہیں

ہم زمرۂ رقیب میں ملکر وہاں گئے
جب شوق رہنما ہو کوئی پاسباں نہیں

آشفتہ مثل باد ہوں بیتاب مثل برق
کیونکر سہیں چرخ تری شوخیاں نہیں

ہم آپ نثار کریں کائنات کو
پر کیا کریں بساط میں جنس نیم جاں نہیں

سامان وجد فتنۂ محشر کو دے دیا
وہ خاک پر ہماری جو دامن فشاں نہیں

کیوں ہیں ندیمِ دوست سفارش میں غیر کی
کیا ہمکو اُن سے رسم و رہِ ارمغاں نہیں

اک حالِ خوش میں بھول گئے کائنات کو
اب ہم وہاں ہیں ہے طرب و ساقی جہاں نہیں

کس کس پہ رشک کیجیے کس کس کو روئیے
کس دن وہ جلوہ آفتِ صد خانماں نہیں

کیوں یہ ہجومِ شور و شغب ہی نشور میں
ایسا تو شیفتہ ہمیں خوابِ گراں نہیں

آرام سے ہی کون جہانِ خراب میں
گل سینہ چاک اور صبا اضطراب میں

سب اُنہیں محو اور وہ سب سے علاحدہ
آئینہ میں ہی آب نہ آئینہ آب میں

معنی کی فکر چاہیے صورت سے کیا حصول
کیا فائدہ ہے موج اگر ہے سراب میں

نے بادِ نو بہار ہی اب نے شمیمِ گل
ہمکو بہت ثبات رہا اضطراب میں

حیرت ہی کیا نقاب ہیں گر رنگ رنگ کی
نیرنگِ جلوہ سے ہی تنوّع نقاب میں

فرصت کہاں کہ اور بھی کچھ کام کیجیے
بازی میں جمعہ صرف ہی شب شراب میں

ذات و صفات میں بھی یہی ربط سمجھیے
جو آفتاب روشنی آفتاب میں

قطعِ نظر ہو نقش و نگارِ جہاں سے ہو
دیکھو وہ آنکھ سے جو نہ دیکھا ہو خواب میں

طوبیٰ لہم جو کشتۂ عشقِ عفیف ہیں
کیا شبہ اُس گروہ کے حسنِ مآب میں

مرنے کے بعد ہی کہیں شاید پتا لگے
کھویا ہی ہم نے آپ کو عہدِ شباب میں

پھر ہی ہوائے مطربی ہمکو شیفتہ
مدت گذر گئی ورع و اجتناب میں

شوخی نے تیرے لطف نہ رکھا حجاب میں
جلوے نے تیرے آگ لگائی نقاب میں

آ نغمہ گر ہو چرخ میں لا آسمان کو
آ رقص کر زمین کو ڈال اضطراب میں

سو مہر کا فروغ ہی وہاں جلوہ گاہ میں
سو باغ کی شمیم ہی وہاں رخت خواب میں

وہ قطرہ ہوں کہ موجۂ دریا میں گُم ہوا
وہ سایہ ہوں کہ محو ہوا آفتاب میں

سالک کی یہ مراد کہ مجھ سا ہو نفس بھی
رہزن کو یہ خیال کہ رہرو ہو خواب میں

اُس صوتِ جاں نواز کا ثانی بنا نہیں
کیا ڈھونڈھتے ہو بربط و عود و رباب میں

ای وائے روز حشر اگر ہم سے ہو سوال
جو کچھ کیا ہی ہم نے شبِ ماہتاب میں

آتا ہی کون کون کہ آتے ہیں اب نظر
دربان انفعال میں حاجب حجاب میں

شرمِ گنہ نہ بیم عقوبت یہ رنج ہے
ہی ہی اُٹھائی اُس نے اذیّت عتاب میں

پوچھی تھی ہم نے وجہ ملاقات مدعی
اک عمر ہو گئی اُنھیں فکرِ جواب میں

لڑتی نہ جائے آنکھ جو ساقی سے شیفتہ
ہمکو تو خاک لطف نہ آئے شراب میں

ناچار ہیں خموش وہ ناحق عتاب میں
طاقت تھی جتنی صرف ہوئی اضطراب میں

بوسے کئے قبول تو گنتی بھی چھوڑ دو
ایسا نہ ہو کہیں پڑے جھگڑا حساب میں

بیباک کسقدر ہے کہ ڈوبا ہوا ہی سب
دامن لہو میں اور گریباں شراب میں

شاید کہ پڑ گئی ہے کسی شیخ کی نظر
ہم نے دھڑک جو کرتے ہیں توبہ شباب میں

آخر جہان میں شبِ تاریک بھی تو ہے
اچھا نہ آئیں آپ شبِ ماہتاب میں

ای آفتِ زمانہ ترے دور میں شکیب
بلبل کو باغ میں ہی نہ ماہی کو آب میں

ہوتا ہی اژدہام تمنا اُسی قدر
ہوتی ہی جتنی دیر کشادِ نقاب میں

جور و ستم عیاں ہی وفا و کرم نہاں
لڑتے ہیں جاگتے میں مناتے ہیں خواب میں

بیباک شیوہ شوخ طبیعت زباں دراز
ملزم ہوا ہی پر نہیں عاجز جواب میں

اُس نے دمِ وداع کئے عہدِ التفات
افسوس میں نے کچھ نہ سنا اضطراب میں

تکلیف شیفتہ ہوئی تمکو مگر حضور
اس وقت اتفاق سے وہ ہیں عتاب میں

گر کچھ خلل نہ آئے تمہارے فراغ میں
حسرت کا ہی ہجوم دلِ داغ داغ میں

مشاطہ باغباں کی طرح بیقرار ہے
میں اُن کے پاس کیا ہوں کہ گلچیں ہے باغ میں

پہلے نہ تھا جہاں میں دلِ داغ دار کیا
مشہور اسقدر جو ہوا لالہ داغ میں

جورِ ادیب و شوق حبیب و غمِ نشور
اپنا کوئی زمانہ نہ گذرا فراغ میں

صہبائے لالہ فام کہاں اور ہم کہاں
خونابۂ جگر ہی ہمارے ایاغ میں

معلوم ہی کہ ایلچیوں کو زباں نہیں
قاصد نہ بھیجا ہو ہرگز بلاغ میں

فانوس شیشہ ولگن زر سے کیا حصول
وہ ہی وہاں جہاں نہیں روغن چراغ میں

نہ طاقت شکیب نہ اندازہ ستیز
بیجا ہی اہتمام تلاش سراغ میں

اُس نوبہار حسن کو بدنام مت کرو
ہے شیفتہ کے پہلے ہی شورش دماغ میں

پائی ہی بوئے دوست عنادل نے باغ میں
پروانوں پر ہوئی ہی تجلّی چراغ میں

اُس کا پتہ ملے تو ہمارا پتہ ملے
کھویا ہی ہم نے آپ کو جس کے سراغ میں

مشکوئے شہ ہوا سے ہی پر عیش وہاں کہاں
عشرت فقط نصیب ہی کنج فراغ میں

عاشق نہیں وہ حفظ مراتب جسے نہو
جو جلوہ باغ میں ہی کہاں ہی وہ راغ میں

ہر چند ایک نور سے روشن ہی بزم دہر
جو نور مہر میں ہی کہاں وہ چراغ میں

ایک قطرہ جس کا مست کرے کائنات کو
ای بے خبر وہ مے ہی ہمارے ایاغ میں

بلبل نے گل کبھی نہیں دیکھا جو دیکھ لے
نہ نہار پھر نہ فرق کرے دشت و باغ میں

سو بار آن لگا چڑھو حسن دوست پر
سامان صد بہار ہی ایک ایک داغ میں

پیری میں سیر باغ کی تقریب شیفتہ

معشوقہ ساتھ ہی نہ خلل ہی دماغ میں

عید ہی اور ہمکو عید نہیں
اگر آ جایئے بعید نہیں

لاش تیری رسید تھی خط کی
خط کی یہ نامہ بر رسید نہیں

قیس کو جو کہے خفیف العقل
رائے اُس شخص کی سدید نہیں

گر بہی ہی ہجوم ابرِ سیاہ
گر کوئی می پئیے بعید نہیں

ہم اگرچہ ہیں اندنوں مقبول
لیکن اغیار بھی طرید نہیں

آج بھی منع بادہ ای زاہد
تیرے نزدیک عید عید نہیں

ذکر میرا سنو نہ مجنوں کا
لطف بے قصہ جدید نہیں

دو رہیں اُسکے چشم و مژگاں کی
کس جگہ تربتِ شہید نہیں

نیند آئی رقیب آتا ہے
رخصت اتنی تو ہم بلید نہیں

شیفتہ ابھی ہیں نغمہ سرا
پر یہ آہنگ پہ نشید نہیں

ہی گو یہ گو نہ شک ابھی عفو گناہ میں
جو ہی زبان پرو نہیں ہی نگاہ میں

تمکین اضطراب ہی بیداد التفات
کیا شوخئ اثر ہی سرِ اسیمہ آہ میں

ہر خار وحش ہی وہ جبہ میں ہر سنگ و خشت ہست
کیا سیکشو نے آکے کہا تھا لقاہ میں

دشمن سے بھی زیادہ ہی گو دوست کیوں نہو — ملجائے جو کوئی ترے کوچہ کی راہ میں

سرگشتہ انکے پھرنے سے اربابِ درد ہیں — کیا فرق چرخ اخضر و چشم سیاہ میں

صیاد دلفریب کا اللہ رے لطف عام — بے زخم ایک صید نہیں صید گاہ میں

ہی مجھ میں اور غیر میں نسبت وہی جو ہی — اندیشۂ درست و خیالِ تباہ میں

دن رات جکو دیکھتے ہیں مہر و ماہ کے — یہ روشنی نہ مہر میں دیکھی نہ ماہ میں

یہاں بے زوال نعمتِ کمیاب عشق ہی — دعوی ہی بوالہوس کو اگر مال و جاہ میں

ہی جلوہ گر کرشمہ کہ انصاف پیشگی — ہلدی لگی ہوئی ہے سرِ دادخواہ میں

تجھکو نظر نہ آئے تو اپنا علاج کر — ہی مرغزار جلوہ نما برگ گاہ میں

دھوکا مجھے کو صرف نہیں میل یار کا — دیکھا بڑے بڑوں کو اسی اشتباہ میں

ہر شیوہ اُس کا اپنی جگہ میں تمام ہی — اعجاز بات میں ہی تو جادو نگاہ میں

افسردہ خاطری وہ بلا ہی کہ شیفتہ
طاعت میں کچھ مزا ہی نہ لذت گناہ میں

ہم سے جو ہو غبار تو دشمن سے صاف ہو — تقصیر ہو کسی سے کسی کی معاف ہو

ہرگز ترے لبوں سے نہ چھوٹیں گے کام دل — سو بار ہمیں غیر سے گو لام و کاف ہو

دل لیں گے مال دینگے مگر جان سو بجبر — بیہودہ ہی نہ شخص جو سرگرم لاف ہو

کافی ہی خوش گذرنے کو دنیا میں اسقدر — معشوق خوش مزاج ہو وجہ کفاف ہو

موصوف ہو ضرور جفا و عتاب کا — حسن و جمال میں جو کوئی یہاں مضاف ہو

ہی رشک بار عام غضب کیا عجب اگر — کنج خمول میں ہوس اعتکاف ہو

گر عفو ہو قصور تو اک عرض ہی ہمیں — یہ عرض ہی قصور ہمارا معاف ہو

غالب ہی کچھ تو فرق پڑے وہاں کی سیر سے — وحشت میں گر گذار ہیر اسوئے قاف ہو

رفتار چرخ ہی اسے شیوہ پہ دور کیا — گر آپ کی روش بھی ہمارے خلاف ہو

ہاں تو شگاف در سے لڑا آنکھ غیر سے — تیری بلا سے دلمیں کسی کے شگاف ہو

جو قیس کی روش تھی وہی اپنی راہ ہی — دونوں سلیم فکر میں کیوں اختلاف ہو

وہ طرز فکر ہمکو خوش آتی ہی شیفتہ
معنی شگفتہ لفظ خوش انداز صاف ہو

فروغ مہر نہ ہو رخ پہ گر نقاب نہو — نقاب اُٹھا کہ یہ لمعان آفتاب نہو

بھرے ہیں رنگ تکلف سے اہل میخانہ — شراب بس ہی نہیں ہی اگر کباب نہو

کہیں نہ چاہیے بت مہروش یہ ممکن ہے — خلل پڑے سحر تک جو آفتاب نہو

ہی دلکو شکر وفائی عدو سے بیتابی — کروں ہیں کچھ گلہ لطف گر عتاب نہو

حجاب منظر مقصود ہی طلسم خودی — جو یہ طلسم نہ ٹوٹے تو فتح باب نہو

عزیز ہی بہت میکش کو چشم تر یعنی
بہت ہی دھوم مچاتے ہیں میکدہ میں رند
وہ ماہتابی پہ بیٹھے ہیں اور ہی شبِ ماہ
غضب ہی قہر ہی دیکھے وہ چشم یہ جلوہ

نہو سحاب تو کیفیتِ شراب نہو
مجھے یہ ڈر ہی کہیں مدرسہ خراب نہو
خلاف شان ہی رُخ پر اگر نقاب نہو
جسے کہ مہر کی بھی دیکھنے کی تاب نہو

وہ روئی نالہ موزوں شیفتہ سُنکر
یہ وہ غزل ہی کہ جس کا کبھی جواب نہو

غیر سے حرف تمنائے جفا کہتے ہو
زندگی خاک ہو جب فہم میں اتنا ہو خلاف
کہتے ہیں لاف وفا موت سے پہلے کیسی
گلہ جور پہ کہتے ہیں رہے نا فہمی

کس سے کہتے ہو تمھیں خیر ہے کیا کہتے ہو
ہم اجل کہتے ہیں تم جسکو حیا کہتے ہو
ہم نہیں جانتے تم کسکو وفا کہتے ہو
ناز ہم کرتے ہیں تم اُسکو جفا کہتے ہو

شیفتہ شکوہ دشمن سے بس اگے نہ بڑھو
دیکھو وہ دوست ہی تم کسکو بُرا کہتے ہو

توسنِ ناز اُٹھاتے کیوں ہو
ناصحو یوں بھی تو مر جاتے ہیں
تاب نظارہ نہیں پہلے ہی یہاں

خاک میں شہر ملاتے کیوں ہو
عشق سے مجھکو ڈراتے کیوں ہو
تم مجھے آنکھ دکھاتے کیوں ہو

میرے نزدیک ہو لیلیٰ سے سوا — قصۂ قیس سناتے کیوں ہو

حاصل اس سلسلہ جنبانی سے — پائے خوابیدہ جگاتے کیوں ہو

عرضِ غم حوصلۂ غیر کہاں — مجھسے تم بات بناتے کیوں ہو

آتشِ عشق کہیں بجھتی ہے
شیفتہ اشک بہاتے کیوں ہو

ربط وہاں ہاتھ کو جب غیر کے داماں سے ہو — کیوں نہ یہاں ہاتھ کو پھر ربط گریباں سے ہو

جلوۂ دوست اگر دیکھے تو میرا ذمہ — پھر پری زاد کو وحشت اگر انساں سے ہو

جو خوشی خط سے تمہارے ہوئی اس سر کی قسم — وہ شہ ہند و شہ روم کے فرماں سے ہو

حسن کیا رکن امارت ہے کہ ممکن ہی نہیں — ربط اُن سے نہ کرے کوئی جو ارکاں سے ہو

میں نہیں جانتا آپ آئیں وہ یا خط بھیجیں — پر مرے دل کو تسلی کسی عنواں سے ہو

ہر ورق میں ہے عیاں جلوۂ نیرنگِ بہار — کیوں نہ دیوانوں کو شورش مرے دیواں سے ہو

چھیڑ دیکھو کہ کہا دونوں کو ذلت ہو نصیب — پر تجھے غیر سے ہو غیر کو درباں سے ہو

کس لئے تاراج کیا ملکِ دل و دیں کہئے
آج تم شیفتہ کچھ بے سروساماں سے ہو

اضطرابِ جرس ہے کیوں دل کو — کہیں جنبش ہوئی ہے محمل کو

بوسۂ لب نہ مانگنا دشمن
منہ لگاتا ہے کون سائل کو

گل کو ہے اس کے کان سے تشبیہ
کیا سنے نالۂ عنادل کو

غمزۂ تیرے چشم کافر کا
سمجھے اعجاز سحرِ بابل کو

تجھ سے اے رشکِ خور جو دوں تشبیہ
ہو نقصان ماہِ کامل کو

اب وہ نو خط ہے ملتفت دیکھا
نقشِ تسخیر خطِ باطل کو

ہائے وہ شیفتہ کی بیتابی
تھام لینا وہ تیری محمل کو

اے فلک یوں کامیابِ عیش کر پرویز کو
خواب شیریں میں بھی ہو فرہاد شور انگیز کو

سعی وصفِ نازنیں ہی فنا کی شبدیز کو
شوخیاں ابرو سے لینی چاہئے مہمیز کو

دیکھکر چشمِ غضب کو اس کے میں نے رو دیا
چاہیے پانی ملا لینا شرابِ تیز کو

سانپ کے سونگھے ہوئے سے بے خبر ہوں مجھے
سونگھا اپنی وہ شمیمِ زلفِ عنبر بیز کو

کب ہوئیں گستاخیاں آدابِ دانِ عشق سے
دیجیے تعزیر اپنی تمکین ہوس انگیز کو

نالۂ موزوں کی بے پروا خرامی دیکھنا
کر دیا خلوت نشینِ غنچہ نازِ رستاخیز کو

کیوں نہ شادیِ مرگ ہو ناکام مجھ سا دیکھکر
زخم کے منہ میں زبانِ خنجرِ خوں ریز کو

خطِ آزادی ملا نامہ غیر کا اے ہوشِ رشک
پھاڑ ڈالا آپ ہم نے کیسی قسمت آویز کو

اہلِ محفل کی پسندِ طبع یہ انداز ہی
شیفتہ کسکو سناتے شعرِ درد آمیز کو

کچھ تو شیریں کام کر تلخی کشِ بیداد کو
آہ و زاری نارسا شوقِ اسیری بے اثر
تلخ کامِ عشقِ شیریں بھی ہوئی پایانِ کار
کہتے ہیں زیرِ زمیں لیلی و مجنوں مل گئے

دے کفن تو عشقِ شیریں باف کا فرہاد کو
کون لائے آشیانے تک مرے صیّاد کو
یہ نویدِ شور افزا بھیجئے فرہاد کو
ہمکو بھی لازم ہی جانا وہاں مبارکباد کو

اک دمِ شمشیر سے آزار سب جاتے رہے
ہم مسیحا جانتے ہیں شیفتہ جلّاد کو

ایدل جو ہو سو ہونے دے گرمِ فغاں نہو
وابستگی جو ایسی ہی قاصد سے کیا عجب
مہر و وفا جو ماہ وشوں سے بعید ہے
کیا کیا بیان کرتے ہیں نادر نکات ہم
صدق و صفا و مہر و وفا واں نہ ڈھونڈھنا
آئی ہی فصلِ گل ہیں چمن سے ہوائے گرم
کیا ہو دعائی مرگ ہیں اُس شخص کو حجاب

یہ جورِ یار ہے ستمِ آسماں نہو
گر حلقِ زخم خوردہ سے بھی خوں رواں نہو
راضی ہیں ہم اسی میں کہ نا مہرباں نہو
لیکن جب انجمن میں کوئی نکتہ داں نہو
جس شہر و دیہہ میں کہ سرائے مغاں نہو
صیّاد نے جلایا کہیں آشیاں نہو
جو نیم کشتۂ خنجرِ دردِ نہاں نہو

صوتِ حزیں سے کچھ ہو نہ شکلِ جمیل سے
گر صاحبِ معاملہ آزردہ جاں نہو

ایما ہی سب کو چشمِ سخنگو سے شیفتہ
پھر میرے قتل پر کوئی کیا ہمزباں نہو

ہی بد بلا کسیکو غمِ جاوداں نہو
یا ہم نہوں جہاں میں خدایا جہاں نہو

آئینِ اہلِ عشق کہاں اور ہم کہاں
ای آہ شعلہ بار نہو خوں چکاں نہو

فعلِ حکیم عینِ صلاح و صواب ہی
ساقی اگر شراب نہ دے سرگراں نہو

تدبیر ترکِ دشمنِ جاں کی ہی رات دن
کس طرح پھر مجھے گلۂ دوستاں نہو

کیا وہ متاع جسکی نہو کوئی گھات میں
ڈرتا ہوں میں جو دزدِ دلِ پسِ کارواں نہو

جب تک فروغِ مے سے نہو سینہ نورزار
ہرگز حریفِ میکدہ اسرار داں نہو

لازم ہی یا یہ بھی تو ہو بیتاب ورنہ کیا
وہ عشق ہی کہ رنج یہاں ہو وہاں نہو

ناحق وہ جی جلاتے ہیں سودائے عشق پر
جن کو یہ سوچ ہی کہ کچھ اسمیں زیاں نہو

ہم بوئے دوست تجھکو سنگھائیں گے شیفتہ
محوِ شمیمِ طرّۂ عنبر فشاں نہو

تہمت لگا کر اُنکو کوئی کیا خجل نہو
وسواس ہمکو جب ہو جو آئینہ دل نہو

تقوے میں ہم شریک ہیں رندی میں ہم شریک
صحبت سے اپنی کوئی ملول و خجل نہو

زنجیر آدھی رات کو کھڑکائے اور کون
تنہا ملا ہے یار زمانِ دراز میں
افسردگی کے اپنے جو گرمِ بیاں ہوں ہم
دشمن کے افترا سے رہائی محال ہے

ای جذبِ اشتیاق وہ پیماں گسل نہو
ای فرطِ جوشِ شوق بس اب تو مخل نہو
آتش کبھی جہان میں پھر مشتعل نہو
گھر بار کا جو گھر کے مرے متصل نہو

پھر دلدہی میں گرم ہی دلدار شیفتہ
ڈرتا ہوں میں کہ پھر کہیں خواہانِ دل نہو

اتنی جمیل سے تو کبھی اُنس و خو نہو
ہی گل کا رنگ تجھ سے مشابہ نہ دیکھیے
سب آرزوئیں تجھ سے فلک نے نکالدیں
جانا کہیں ہو جاتے تھے یا تیرے گھر کی راہ
یا غیر سے بھی خوش تھے کہ تیرا تو دوست ہی

ڈرتا ہوں آفتاب سے اب میں کہ تو نہو
بچیئے صبا سے بھی کہ کہیں تیری بو نہو
یہ آرزو ہی اب کہ تری آرزو نہو
یا اب یہ ڈر ہی راہ میں تو روبرو نہو
یا اب خفا ہوں اُس سے جو تیرا عدو نہو

جب تک کہ تم رقیب سے ملنا نہ چھوڑ دو
ملجائے تم سے شیفتہ ایسا کبھو نہو

کچھ پیچ و تاب دل کا جبیں پر اثر نہو
سامان عیش جمع مگر ہم کو اجتناب

اتنا تو حوصلہ ہو اگر بیشتر نہو
کیا کیجئے جو حکم قضا و قدر ہو!

اُن کو وہ لافِ مہر و وفا ہو کہ کیا کہوں
ہمکو گر اہتمامِ تلاشِ خبر نہو

ناصح جو کام ترکِ وفا سے لیا تو کیا
جو بات عیب کی ہے وہ ہرگز ہنر نہو

ہم وہ نہیں کہ اُس کو بھی رکھیں حساب میں
جس آہ کا کہ چرخِ نہم تک گذر نہو

کیا تاب ہے کہ تابِ مژگاں ہو جلوہ گر
جس قطرۂ سرشک میں لختِ جگر نہو

امیدوار جلوۂ معنیٰ غلط نہیں
جو نکتہ فہم محوِ نقوش و صُور نہو

ہرچند مجھ سے بے سبب آزردہ ہے مگر
ڈرتا ہوں میں منانے سے آزردہ تر نہو

ہیں آنے والے شیفتہ کچھ دوست اور بھی
مطرب کو حکم ہو کہ ابھی نغمہ گر نہو

جب تک وہ مہر جلوہ یہاں جلوہ گر نہو
لاکھ آفتاب سے شبِ ہجراں سحر نہو

کیا مانگتے ہو جان بہت لوگ دے چکے
وہ بات ہم سے کہیے کہ حدِ بشر نہو

کسکو کیا پسند نہ کیونکر کروں پسند
مجھکو نظر نہو جو غرورِ نظر نہو

یہ شوقِ ہرزہ تاز بہت منفعل کرے
دربان جو دوست ہمارا اگر نہو

میخانے میں رہو کہ نہ دیکھو گے عمر بھر
وہ شام جسمیں پرتوِ فیضِ سحر نہو

آیینِ ناز کینہ و رسمِ ادا ستم
معشوق بے ہنر ہے جو بیداد گر نہو

یاروں کو رنج ہو یہ گوارا نہیں مجھے
ایسی جگہ مروں کہ کسیکو خبر نہو

اُن کا لگاؤ اور بھی کرتا ہے بیقرار
وہاں کچھ نہو تو جوش یہاں اسقدر نہو

وہ نالہ چاہتے ہیں کہ برہم کرے جہاں
لیکن یہ شرط ہی کہ ہمیں کچھ اثر نہو

اُڑتی سی شیفتہ کی خبر کچھ سُنی ہی آج
لیکن خدا کرے یہ خبر معتبر نہو

نفسِ سرکش کی کسی ڈھب سے رعونت کم ہو
چاہتا ہوں وہ صنم جس میں محبت کم ہو

کیا عجب دو رہو آتش سے حرارت لیکن
ہی عجب اُنکی اگر دل سے شرارت کم ہو

مے کی حرص پہ انسان ہوا ہی مجبول
ناصحِ دوست اگر ہو تو نصیحت کم ہو

جانِ پُرشغلہ فارغ ہو جو تم کو دیکھے
دل بے وسوسہ کو تم سے فراغت کم ہو

شمع رویوں سے بڑھا ربط بڑھی ظلمت دل
ورنہ جتنا کہ سوا نور ہو ظلمت کم ہو

اثرِ عشق کی افسانے جو سُن رکھے ہیں
حکم عشاق کو ہی یہ کہ محبت کم ہو

ہم نے دیکھا ہی وہ صیقل کدہ اللہ اللہ
کہ جہاں آئینہ دل سے کدورت کم ہو

نغمہ پُردرد ہی شورش سے افاقت معلوم
بادہ پُرزور ہی کیا نشہ کی شدت کم ہو

شیفتہ کیسی ہی معنی ہوں مگر نامقبول
اگر اسلوب عبارت میں متانت کم ہو

اُٹھ صبح ہوئی مرغ چمن نغمہ سرا دیکھ
نور سحر و حُسن گل و لطف ہوا دیکھ

دو چار فرشتوں پہ بلا آئے گی ناحق
سنت سے منافی ہیں مجھے میں نہیں منتا
گر بوالہوسی یوں تجھے باور نہیں آتی
عاشق بھی سہی پر کوئی فرہاد سا ہوگا
اتنی نہ بڑھا پاکئ دامن کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

ای غیرت ناہید نہو نغمہ سرا دیکھ
اوضاع ملک دیکھ اور اطوار گدا دیکھ
ایک مرتبہ اغیار کے قابو میں تو آ دیکھ
کاشانۂ دشمن میں نہو جلوہ نما دیکھ

ایک دم کے نہ ملنے پہ نہیں ملتے ہیں مجھ سے
اے **شیفتہ** پابوسی امید فزا دیکھ

کہوں میں کیا کہ کیا دردِ نہاں ہے
شکایت کی بھی اطاقت کہاں ہے
نشانِ پائے غیر اُس آستاں پر
اجل نے کی ہے کس دم مہربانی
تجھے بھی مل گیا ہے کوئی تجھ سا
یہ کس گلرو کا عالم یاد آیا
ہوئی بیتابئ بلبل سوا تر
سحر اُن کو ارادہ ہے سفر کا

تمہارے پوچھنے ہی سے عیاں ہے
نگاہ حسرت آہ ناتواں ہے
نہیں ہے میرے مرقد کا نشاں بر
کہ جب پہلو میں وہ نامہرباں ہے
اب آئینہ سے وہ صحبت کہاں ہے
دم سرد اک نسیم بوستاں ہے
کہ گھبرایا ہوا کچھ باغباں ہے
قیامت آنے میں شب درمیاں ہے

کوئی یہاں لاؤ اُس عیسےٰ نفس کو
کہ مرتا شیفتہ نام اک جوان ہی

یاد آے گی جو عطر فشاں اُسکی کو مجھے
لیجاے گی بہشت میں گلشن کی بو مجھے

اے چرخ تیری دور میں انصاف ہی یہی
وصلِ صنم عدو کو ہو رشکِ عدو مجھے

رحم اے ہجومِ شوق کہ سنبل سے باغ میں
یاد آئیگا وہ طرۂ تابیدہ مو مجھے

دشمن کٹے جو شکر کے سجدے سے وقتِ قتل
شاید کہ آبِ تیغ سے ہوگا وضو مجھے

تا صبح حشر بخت مرے جاگتے رہیں
اک بار صبح آکے جگائے جو تو مجھے

تشبیہ تیری زلف سے دی ہو نہ غیر نے
سنبل سے عطر فتنہ کی آتی ہی بو مجھے

تابِ وصال اُس سمن اندام کو کہاں
بس بس نہ چھیڑ اے خلشِ آرزو مجھے

جاتا ہوں کوے غیر میں صحرا کے بدلے میں
دیوانگی میں بھی ہے تری جستجو مجھے

وہ مانعِ تپش ہی نہیں شوقِ اضطراب
بھاتی نہیں ہی شیفتہ ایسی بھی خو مجھے

اگلے رشک اُنکو یاد آنے لگے
ہم جو غیروں کے گھر میں جانے لگے

کچھ بناوٹ سے تو نہیں غش
تم مجھے عطر کیوں سُنگھانے لگے

میرے داغوں کا ذکر کرتے ہیں
بارے غیروں کو بھی جلانے لگے

تلخ کامی کی گر کہیں لذت
چرخ غالب کہ زہر کھانے لگے

میرے رونے میں تو نہیں تاثیر
غیر پھر اشک کیوں بہانے لگے

غیر سے کب ہوا ہی ترک کلام
باتیں تم ہم سے بھی بنانے لگے

ق
ہم جو تحریک ناتوانی سے
قصّہ ہائے ستم سُنانے لگے

ہنسکے کہنے لگے کہ ہاں سچ ہے
تم مرے ناز کیوں اُٹھانے لگے

وہ غزل ہم نے شیفتہ لکھی
جس کو زہرہ بھی سُن کے گانے لگے

اور الفت بڑھ گئی اب اُس ستم ایجاد سے
اک نئی لذت جو پائی دل نے ہر بیداد سے

غیر کو اندوہ فرقت اب مبارک ہو کہ یہاں
دھیان جاتا ہی نہیں اُسکا دلِ ناشاد سے

عشق میں یہ مرحلہ بھی پیش آتا ہی ضرور
کسکو امیدِ اثر ہی نالہ و فریاد سے

مجھ سے کیا کیا شاد ہوگی روح قیس و کوہکن
کچھ نظر آتے ہیں کوہ و دشت کچھ آباد سے

ہیں شفاؤں میں عدو کے بس یہی تدبیر ہے
جائیں اُسکے پاس نالاں یار کے بیداد سے

رشک آزادی پہ ہی ایسے اسیروں کی مجھے
چھُٹ گئی جو جان دیکر پنجۂ صیّاد سے

ڈوبنے کی جگہ ہی غسل صحت ہجر میں
رو دیتا ہوں احبّا کی مبارکباد سے

وہ قتیلِ تیشہ ہی میں کشتۂ ابروے یار
نا بجا مجھکو نسبت دیتے ہیں فرہاد سے

چھیڑتے کیوں ہو مجھے جانے دو ان باتوں کو بس
تم بھلا جاتے رہو گے شیفتہ کی یاد سے

پھر محرک ستم شعاری ہے / پھر انہیں جستجو ہماری ہے
پھر وہی داغ و دل سے صحبت گرم / پھر وہی چشم و شعلہ باری ہے
پھر وہی جوشِ نالہ و فریاد / پھر وہی شور آہ و زاری ہے
پھر خیالِ نگاہ کافر ہے / پھر تمنائے زخم کاری ہے
پھر وہاں طرز دلنوازی ہے / پھر یہاں رسم جاں نثاری ہے
پھر وہی بیقراری تسکیں / وہی تسکینِ بیقراری ہے
پھر جفا واں تمنا ہوئی پھر یہاں / ناامیدی امیدواری ہے
جس کے جور و ستم بھی یاد نہ تھے / پھر ہمیں اسکی یادگاری ہے
پھر ہمیں کام کچھ نہیں تم سے / پھر وہی وضع گر تمہاری ہے

شیفتہ پھر ہی ننگ عزت سے
پھر وہی ہم ہیں اور خواری ہے

وہاں پہنچنے کی منت دم صبا پر ہے / کہ شوق سے مرے خط کے لیے ہوا پر ہے
عدو کو آگے مرے مسکرا کے ذبح نہ کر / کہ میری مرگ بھی موقوف اسی ادا پر ہے

مرض ہو جس کے سبب سے غضب ہے وہ یہ کہے
بے جئے جئے نہ جئے زور کیا قضا پر ہے

رقیب کہتے ہیں اس جور پر تنا ہتے ہو
قیامت آئی کہ تشنیع اب وفا پر ہے

خفا ہوئے ہیں عدو اپنی ہی بری خو سے
تجھے گمان بد ای بدگماں حیا پر ہے

خیال تھے اثر جذب دل سے کیا کیا آج
ہزار خون ہوس گردن حنا پر ہے

رقیب سے ہی جفای حبیب کا شکوہ
تو آپ شیفتہ اے شیفتہ جفا پر ہے

فصل گل ہی میکدہ کا ساز و ساماں چاہیے
توبۂ ژولیدہ زیب طاق نسیاں چاہیے

ہو لیلی ہی یہ مجنوں چارہ سازوں سے کہو
اس کے رہنے کے لیے یوسف کا زنداں چاہیے

شمکش اس جیب سے دست جنوں بیفائدہ
غیر کا زور آزمائی کو گریباں چاہیے

بستاں چاہیے نی جا ہیے سنبل کدہ
چشم فتاں چاہیے زلف پریشاں چاہیے

ے سبزہ سبزۂ خط قد موزوں جائے سرو
بے گلستاں ہو تو ہاں سیر گلستاں چاہیے

ہد ان دلربا اتنی نہیں دشوار جو
صرف ان کو مال و جاں ناموس و ایماں چاہیے

زل اپنی بیاض چشم آہو پر لکھو
جیسے دیکھانے ہیں ہم ایسا ہی دیواں چاہیے

ہ ہائے گلفشاں کو سمجھیں کیا زاغ و زغن
داد دینے کو مرے مرغ خوش الحاں چاہیے

کلفت خاک صحرا دشنۂ غم نوک خار
تیرے وحشی کے لیے ایسا بیاباں چاہیے

جان دی ہی ہم نے درد ہجر گلزار میں
نعش کے ہمراہ بلبل مرثیہ خواں چاہیے

اکثر ایسے وقت کم آتے ہیں ارباب خلل
مے کشی کا شغل وقت ابر و باراں چاہیے

جس روش میں کی خواہش خواہ نیک خواہ بد
اسمیں جد و جہد تا سر حد امکاں چاہیے

گر سلوکِ راہ حق پیشہ ہی اے روحی فداک
جذب بے اندازہ و سعی فراواں چاہیے

پایہ کم پر شریفوں سے قناعت ننگ ہے
بایزیدی زہد ہو شبلی کا عرفاں چاہیے

جسم سے ہو معنی روح مجرد آشکار
لفظ سے ہو صورتِ معنی نمایاں چاہیے

اور اگر شیوہ معاذ اللہ رندی کا ہوا
کام ناقص ہی مگر کب اسمیں نقصاں چاہیے

نغمۂ نے کا گذر ہو پردہ گاہ زہرہ تک
موجۂ مے کا اثر تا بام کیواں چاہیے

آبرو رونے سے ہی پر فخر یکتائی نہیں
شیفتہ مژگاں تر خونابہ افشاں چاہیے

کیونکہ مجھے خط رقم کریں گے
کیا غیر کا سر قلم کریں گے

ہم پیشہ ہی اضطراب و شوخی
کس واسطے مجھ سے رم کریں گے

اتنی بھی بری ہے بیقراری
اب آپ سے انس کم کریں گے

جوش وحشت میں اے پری رو
بس تیرا ہی نام دم کریں گے

نوبت ہی تو سب امور میں ہو
اب غیر پہ وہ ستم کریں گے

مرنے کا میرے نہ ذکر کرنا
آرام کی فکر اب ہوئی ہے

قاصد وہ بہت الم کریں گے
تم سے نہ ہوا وہ ہم کریں گے

دلی میں تو شیفتہ ہی استاد
ہم قصد سوے عجم کریں گے

دن سے یہاں آنے کی تدبیر ہے
کیا اثر نالۂ شبگیر ہے

جو کہ ہوا محو تجلیٔ ذات
خاک در اس شخص کی اکسیر ہے

واہ رہا جلوۂ حیرت ادا
آئینہ عشاق کی تصویر ہے

وجہ توقف اجل جاں فزا
قتل میں اغیار کے تاخیر ہے

چھوڑے وہ تو بھی ہیں کیونکر چھٹیں
کشمکش زلف گرہ گیر ہے

کھیل ہی کچھ یہ کہ دکھادوں تمھیں
فرض کیا آہ میں تاثیر ہے

غیر پہ پڑتی ہیں خدنگ نگاہ
سینہ میں میرے خلش تیر ہے

خط کے نہ لکھنے کا لکھوں کیا گلہ
خامہ مدد کردم تحریر ہے

کیا کہوں احباب کی آہن دلی
پاؤں میں فولاد کی زنجیر ہے

غیر بھی کیوں تم سے نباہیں گے گر
جرم وفا قابل تعذیر ہے

نغمہ سرا کون سا یاد آگیا
نالہ میں آواز بم وزیر ہے

ہم سے وہ ناحق جو خفا ہو گئے
شیفتہ کچھ اپنی ہی تقصیر ہے

کہا کہ تنگ ہوں اتنی بھی بدگمانی سے
کہا جو ڈر ہے مجھے ایسی مہربانی سے

یہی ہے شکر کہ دل کی نظر تو روشن ہے
نظر تو خیرہ ہوئی برق لن ترانی سے

ہزار باتیں بناؤ ملے ہو غیر سے تم
نشان ہمکو ملا گم ہوئی نشانی سے

محبت اس خفگی سے عیاں ہے اے گلرو
کہ رنگِ لطف ٹپکتا ہے بدگمانی سے

میں سادگی سے بیاں کر رہا ہوں وصفِ دہن
وہ ہونٹ کاٹتے ہیں اپنی نکتہ دانی سے

سوائے پیرِ مغاں اور ظرف کس کا ہے
کہ بھر دے ہو گدا جام دوستگانی سے

تمنا طلب ہے عجب کاریِ دلِ بیتاب
کہ دل گرفتہ ہے دلدار دلستانی سے

کسی کی نرگسِ میگوں نے کھو دیئے ہیں ہوش
یہ بیخودی نہیں صہبا ار غوانی سے

بھڑک گئی نم شبنم سے اور آتشِ گل
یہ کیسی آگ ہے دونی ہوئی جو پانی سے

یہ ہے نصیحت پیراں کار افتادہ
کہ بد بلا ہے جوانی ڈرو جوانی سے

وہاں تو شیفتہ مطلوب ہے خوش اخلاقی
نہ نکتہ دانی سے کچھ ہو نہ خوش بیانی سے

شب ہم نے لیے خواب میں زنجیر کے بوسے
دین گے وہ مگر زلف گرہگیر کے بوسے

اللہ رے کافر کی نزاکت کہ اُڑا رنگ
ہم نے جو لیے رات کو تصویر کے بوسے

اس جرم سے قاتل نے لہو اُس کو چٹایا
بسمل نے لئے تھے لبِ شمشیر کے بوسے

منہ فوق مری جانب وہ چلے آتے ہیں گویا
نالے نے لیے شب رخِ تاثیر کے بوسے

وہ چومتے ہیں ہاتھ اُدہر اور ادھر میں
سوفار کی لیتا ہوں جگر چیر کے بوسے

دل بیشتر رشک سے ہوتا ہے مشبک
زنبور نے لے اُس ہدفِ تیر کے بوسے

نامہ کو مرے یار نے آنکھوں سے لگایا
ملجائے تو لوں نامۂ تقدیر کے بوسے

کرتا ہوں جو تعریف میں اُس تنگ دہن کی
لیتے ہیں مرے لب مری تقریر کے بوسے

یوں خاک تہ کرتا اگر اُس لب کے نہ لیتے
ہم **شیفتہ** آگے فلکِ پیر کے بوسے

دشمن ہمارا کون نہیں تیرے واسطے
دیتے ہیں زہر چارہ گریں تیرے واسطے

انصاف کر کہ چرخ کو کیا مجھ سے کام تھا
ساری اذیتیں مجھے دیں تیرے واسطے

افغان دلخراش سے تو ہی جو بیقرار
اپنی سی آپ ہمکو ہی کہیں تیرے واسطے

تو کیا ہم آپ کہتے ہیں ہم نے برا کیا
سب کی برائیاں جو سہیں تیرے واسطے

جب لب کے غیر بوسے لیں اُس لب سے **شیفتہ**
کمبخت گالیاں بھی نہیں تیرے واسطے

عشق ذلت ہی تو ذلت ہی سہی — میری ذلت تیری عزت ہی سہی

میرے آزار کی تہمت ہی سہی — تمکو الفت ہی تو الفت ہی سہی

نہ لکھو نامہ نہ بھیجو پیغام — عشق کی آپسے نسبت ہی سہی

ہمکو بھی شوق ہے نظارے کا — دیکھنے کی تری عادت ہی سہی

خاک ہونے پہ مرے دھیان تو ہی — نہ سہی لطف کدورت ہی سہی

دیکھنا غیر کا موقوف تو ہے — قتل کی میرے ندامت ہی سہی

ہم نے بھی طرز صبا سیکھی ہے — تیرے ہی لگ چلنے کی خصلت ہی سہی

سب فسانے کا نہیں ہی جو دماغ — ایک چھوٹی سی حکایت ہی سہی

ناشکیبی کی دعا مانگیں گے — صبر کی ہمکو ضرورت ہی سہی

ہجر تو جائے جو ہو جاے وصال — وصل ممکن نہیں فرقت ہی سہی

اژدہام غم و رشک و حرماں — پھر بھی فرصت ہی تو فرصت ہی سہی

بخت ناساز کا ہوں شکوہ سرا — اُنکے پردے میں شکایت ہی سہی

کیجے اغیار سے ملنا موقوف — مجھکو الفت نہیں غیرت ہی سہی

وصل اغیار سے سنئے وجہ نہیں — میرے مرجانے کی عبرت ہی سہی

دعوی الفت و بیتابی حیف — گر اذیت ہی اذیت ہی سہی

میری خاطر سے چلو شیفتہ واں
غیر اُن سے تمھیں نفرت ہی سہی

مجھ تازہ گرفتار نے فریاد نہ بس کی
جاں اُڑ گئی پر کہنہ اسیران قفس کی

پھر شکل نظر آئی مجھے دام و قفس کی
پھر دل لیے مرے طرۂ خوش خم کی ہوس کی

ہے رحم تو اُس عجز و بیتاب پہ لیلیٰ
جو اپنے ہی نالہ کو کہے بانگ جرس کی

بے رنگ ہے کیا سبزۂ خط شمع رخوں کی
یعنی ہے منافات بہم شعلہ و خس کی

غیروں سے اُسے بات نہ کرنے دوں میں لیکن
یہ بات نہیں اے مرے ہمدم مرے بس کی

خود چاک کروں جامۂ اعدا کہ نہیں چاک
جی میں ہے کہ لوں دھجیاں ارباب ہوس کی

اے شیفتہ اس فن میں ہوں اک پیر طریقت
گو عمر ہے میری ابھی اکیس برس کی

دست عدو سے شب جو وہ ساغر لیا کئے
کن حسرتوں سے خون ہم اپنا پیا کئے

شکوۂ ستم نے اور بھی مایوس کر دیا
اس بات کا وہ غیر سے شکوہ کیا کئے

کب دل کے چاک کرنے کی فرصت ہمیں ملی
ناصح ہمیشہ چاک گریباں سیا کئے

تشبیہ دیتے ہیں لب جاں بخش یار سے
ہم مرتے مرتے نام مسیحا لیا کئے

ذکر وصال غیر و شب ماہ و بادہ سے
بیسے لئے گئے ہمیں طعنے دیا کئے

تھی لحظہ لحظہ ہجر میں اک مرگ نو نصیب
ہر دم خیال لب سے ترے ہم جیا کیے

طرز سخن کہے وہ مسلم ہی شیفتہ
دعوے زبان سے نہ کیے ہیں نہ یا کیے

اُس کا دل گرمی رے جلنے سے پگھل جاتا ہی
ہاں ابھی شمع کے رشتہ کا نکل جاتا ہی

رشک سے رنگ میں تغیر جو پائی تو کہا
تجھ سے ڈرتا ہوں کہ تو دم میں بدل جاتا ہی

بھیجکر کسکو بلاؤں شب غم میں کہ کوئی
لاکھ خاطر ہو پہ کب سوے اجل جاتا ہی

صدقے اس خوش حرکاتی کے سحر چھیڑنے کو
شب کو سوتے میں مجھے عطر وہ مل جاتا ہی

میں تو وہ گرم رو آہ طلب ہوں کہ اگر
وہاں بلاے تو لب بام ابھی پھل جاتا ہی

ہجر میں وصل اجل کا کوئی جاتا ہی خیال
چارہ گر جان ہی لیکر یہ خلل جاتا ہی

ہنستے ہنستے جو رُکاوٹ تری یاد آتی ہی
اشک گرتے ہوے آنکھوں سے سنبھل جاتا ہی

شیفتہ بسکہ ہوں میں سرو قدونکا کشتہ
نخل جو گور پہ اُگتا ہی سو جل جاتا ہی

گلے پہ میرے نہ دشمن کی وہ شمشیر پھرتی ہی
نہ یہاں تدبیر چلتی ہی نہ وہاں تقدیر پھرتی ہی

تیری خو کردہ ہجراں نے تجھکو دیکھکر جانا
کہ میری آنکھ کے آگے تری تصویر پھرتی ہی

نہ کرنا غیر کے گھر کا ارادہ تم کہ مدت سے
تجسس میں فغان شوق کی تاثیر پھرتی ہی

نہیں نخچیر تیرے صیدگہ میں ای شکار افگن
مشکل آرزو سے خاطر نخچیر پھرتی ہی

تیرے گھر سے میرے گھر کا ہی انکو قصد ای دشمن
تری تقدیر پھرتی ہی مری تقدیر پھرتی ہی

گھٹا چھائی ہی لالہ کھل رہا ہی صبح ہوئی ہی
عنان عزم کیوں گلشن سے بے تاخیر پھرتی ہی

نگاہ دلربائی یار طبع بوالہوس دیکھی
کہ آپ ہی آپ سے تقریب بے تقصیر پھرتی ہی

نرالی سب سے ہی اپنی روش ای شیفتہ لیکن
کبھی دل میں ہوائی شیوہ ہا میر پھرتی ہی

ادھر مائل کہاں وہ مہ جبیں ہے
فلک کو مجھ سے کیوں پرخاش و کیں ہے

نہ دیکھا اپنے بسمل کا تماشا
قریب آ کر وہ کتنا دوربیں ہے

یہ اچھا ہے تو اچھا غیر کو بھی
ستاؤ اور پوچھو کیوں غمیں ہے

ہمیں صورت دکھائے کیا تمنا
کہ عاشق جس کے ہیں پردہ نشیں ہے

یہ مجھ سے شکوہ ہی اللہ رے شوخی
کہ میرے غم سے تو اندوہ گیں ہے

یہ کیسا تفرقہ ہجراں نے ڈالا
کہیں کیا ہم کہیں ہیں دل کہیں ہے

نہ پوچھو شیفتہ کا حال صاحب
یہ حالت ہی کہ اپنے میں نہیں ہے

لطف اور دل پہ رہے ہمکو ستم بھی بس ہی
نہ سہی وہ بھی ہمیشہ کوئی دم بھی بس ہی

بزم دنیا میں ہی دو شخص کو کب عیش نصیب
سو تجھی کو ہے مجھکو تو یہ غم بھی بس ہی

دسترس بوسۂ پا کی جو نہیں ہی نہ سہی
اپنے سجدے کے لیے نقشِ قدم بھی بس ہی

سجدۂ دوست ہوا عشق کا حصّہ یعنی
اور لوگوں کے لیے دیر و حرم بھی بس ہی

غیر پہ چاہیے ای چرخ تجھے کرنا جور
مجھ سے ناکام کو تو تہمتِ ورتم بھی بس ہی

دولتِ وصل سے کیا کام ہوسناکوں کو
نازِ خسرو کے لیے خیل و حشم بھی بس ہی

کی تمنّاے کرم میں نے تو فرماتے ہیں
شیفتہ تیرے لیے جور و ستم بھی بس ہی

سجدے کسی در پہ تمنّا نہیں رکھتے
گردن پہ پرِ ناصیہ فرسا نہیں رکھتے

اس کوچے میں ای نکہتِ گل جلوہ عبث ہی
ہم کچھ ہوسِ سیرِ تماشا نہیں رکھتے

ہرچند کہ ہی آپ سے ملنے کی تمنّا
پر آپ سے ملنے کی تمنّا نہیں رکھتے

دشوار نہیں رفعِ حجاب آپ سے لیکن
مطبوع ہم اندازِ زلیخا نہیں رکھتے

یوں چارہ گری غیر کی ہوتی ہی کہ گویا
ہم جانِ حزین و دلِ شیدا نہیں رکھتے

مطلب ہے وہ معشوق سے ناصح کو نہیں اور
ہم دیدۂ بینا دلِ دانا نہیں رکھتے

کس لطف سے وہ لطف سے فارغ ہیں کہ عشاق
تابِ نگہِ حوصلہ فرسا نہیں رکھتے

دشمن سے ملاقات کی ٹھہری ہی کہ بے وجہ
وہ سر پہ پرندِ گھر آنا نہیں رکھتے

اے **شیفتہ** ہم جب سے کہ آئے ہیں حرم سے
شوقِ صنم و خواہشِ صہبا نہیں رکھتے

خندہ زن ہیں دوست میرے دیدۂ پر آب سے — بخت دشمن کو جگائیں میرے نالے خواب سے
وصل کی شب میں نئی باتوں سے ہم واقف ہوے — شعلۂ خس ہی نہایت دیرپا مہتاب ہے
ہیں لہو روتا ہوں ناحق اُن کا دامن پکڑکر — اُن کا دامن بھر گیا ہی میرے ہی خونناب سے
میں وہ میکش ہوں اگر بیخود بھی ہو جاؤں کبھی — ہوش آتا ہی مجھے بوے شراب ناب سے
گرم خود دیکھا تو کر دیتی ہیں سب کو بیقرار — دلکو راحت ہو گئی بیتابیِ سیماب سے
جسکو سمجھا آشنا نکلا غرض کا آشنا — دل ہی افسردہ نہایت گرمیِ احباب سے
شدتِ دیکھو تشنہ کام شوق مجھکو جان کر — قتل کرتا ہی ستمگر خنجرِ بے آب سے
فرشِ مخمل پر سے وہ ہمخوابِ دشمن خواب میں — روشنی پے کھڑے ہوتے ہیں نام خواب سے

کسکی زلفِ خم بخم پھر لے گئی تاب و تواں
شیفتہ پھر کچھ نظر آتی ہونہ بیتاب سے

رقیب بو الہوس کا منہ ہی لطفِ جور کو دیکھے — وہ اپنی وضع کو دیکھے ہمارے طور کو دیکھے
پریوش بھی ہیں شیدائی کے شیدا ناصحو دیکھو — بھلا کب دیکھ سکتے ہیں کہ عاشق اور کو دیکھے
نظر سے فتنہ کی گردش سے گردوں کی بچا وہ ہر — جو چشم مست کو ساقی کی دورِ دور کو دیکھے

صفائی غیر سے کیجے گلہ میں نہیں تم سے
کوئی کیا خاک خوش ہو جب کسی بدطور کو دیکھے

ستم سے شیفتہ اب اسطرح مایوس کرتے ہیں
وہ اپنی تاب کو دیکھے ہمارے جور کو دیکھے

پھر نصیحت کی کسکو تاب رہے
جو یہی دلکو اضطراب رہے

جب خطائے نکردہ ثابت ہو
عقل کیا بر سر صواب رہے

بوئے گل کام کر چکی اپنا
دختر رز تہ نقاب رہے

ملگیا دوست منتخب پھر کیوں
شعر کا شوق انتخاب رہے

واہ رندی و میکشی کہ یہاں
عمر بھر عالم شباب رہے

جب پڑی لذت ہم آغوشی
پھر بغل میں کہاں کتاب رہے

تا نہ غافل ہو انجمن ساقی
دور میں ساغر حباب رہے

بزم دشمن کا عزم تھا موقوف
تھوڑی دیر اور گر سحاب رہے

ہی بڈھاپے میں خوف بدمستی
کہ جوانی میں کم خراب رہے

شیفتہ کوئی حال وارد ہو
پر حرارت سے اجتناب رہے

منہ بنائے ہوئے اس کو سے گذر کرتا ہی
ابتو لو غیر بھی دلمیں مرے گھر کرتا ہی

ذبح اُس کو بھی موذن ہی مگر کرتا ہی
کیوں شبِ وصل میں قتلِ مرغِ سحر کرتا ہی

یاد میں اُس دُرِ دنداں کی موا جاتا ہوں
کارِ الماس مرے حق میں گہر کرتا ہی

اُس کے ناوک کی توجہ پہ مری جان نثار
ہاتھ سے چھوٹتی ہی فصد جگر کرتا ہی

گر نہیں یہ کہ برتتا ہی وہ ظاہرداری
کیوں نگاہ غلط انداز اِدھر کرتا ہی

دلِ مضطر کی رہائی میں نظر رکھتا ہی
جو ترے طرۂ خوش خم پہ نظر کرتا ہی

دیکھئے آہ ہماری بھی اثر کرتی ہی
سخنِ درد شنا ہی کہ اثر کرتا ہی

ایک دن شام ہماری بھی سحر کر دیگا
وہی جو شام کو ہر روز سحر کرتا ہی

دل کے ٹکڑے ہو جلتے ہیں مگر مرغِ چمن
آج کچھ نالہ بالحانِ دگر کرتا ہی

آج پھر ماتمِ یوسف ہی ہر اک کوچہ میں
کارواں مصر کو کنعاں سے سفر کرتا ہی

بدگماں آپ غلط محرمِ اسرار سے ہیں
دل ہمیں رازِ نہانی کی خبر کرتا ہی

جان کھوتی ہو جسے مدِ نظر مثلِ حباب
وہی مشتاقِ فنا چشم کو تر کرتا ہی

شیفتہ جسکو نہیں عشق وہ اپنے نزدیک
کیا بُری طرح سے دنیا میں بسر کرتا ہی

عشق کی میرے جو شہرت ہو گئی
یار سے مجھکو ندامت ہو گئی

خاکِ عرضِ مدعا اُس سے کروں
جسکو باتوں میں کدورت ہو گئی

یہاں سے جانے کو ہیں وہ آچک کہیں
کیا بلا لے ابرِ رحمت ہو گئی

اب ستم اغیار پر کرنے لگے
میرے مرجانے سے عبرت ہو گئی

جلوۂ معنے نظر آنے لگا
پیتے پیتے مے یہ صورت ہو گئی

انکی باتیں اُس نے بھی چھپکر سُنیں
آج ناصح کو نصیحت ہو گئی

منع وصلِ غیر پر ہنسکر کہا
بارے اب تمکو بھی غیرت ہو گئی

بوے گل اُس گل کی بُو کے روبرو
فی الحقیقت نے حقیقت ہو گئی

بس نہ فرماتے پھرو یہ شیفتہ
گو انھیں تم سے محبت ہو گئی

وہ جو اُٹھے جان رخصت ہو گئی
شیفتہ یہ کیا قیامت ہو گئی

بوے یار اُس بزم میں آئی مجھے
جب مجھے ساقی سے الفت ہو گئی

جلوہ بیڈھب مانعِ نظّارہ ہے
وصل میں تاثیر فرقت ہو گئی

نغمۂ و مے سے مجھے کیا کام تھا
اُن کی صحبت میں یہ آفت ہو گئی

بے سخن نسبت مع اللہ ہی اُسے
قوم سے جسکو کہ نسبت ہو گئی

اب رقیب بوالہوس ہیں عشق باز
دل لگانے سے بھی نفرت ہو گئی

سچ کہوں گا گو ہیں دونوں آشنا
ق
بیشک ان سے سہو و غفلت ہو گئی

شق سے کیا کیا خرابی پڑگئی
عقل سے کیا کیا حماقت ہوگئی

شیفتہ ایک رند مشرب شخص ہے
کس سے لوگوں کو عقیدت ہوگئی

ملنے کا میرے اور تیرے چرچا نکریں گے
گر دوست ہیں اغیار تو رسوا نکریں گے

ے عذر وہ کر لیتے ہیں وعدہ یہ سمجھکر
یہ اہل مروت ہیں تقاضا نکریں گے

ب اہل خرابات کوئی راز کہیں گے
جبتک کہ نہ ہم سے ہمیں بیگانہ کریں گے

نچا ہوں میں مرنے کے قریب آتے ہیں دیکھو
وہ دور ہیں اب پاس عدو کا نہ کریں گے

تے ہو اگر غیر کے گھر ضد سے ہماری
ہم آپکے آنے کی تمنا نہ کریں گے

عدمیں بھی آتا ہے خیال خم ابرو
ہم راست بیانی میں محابا نہ کریں گے

ا مجھ سے نہ بولیں کبھی یہ بات نہ ہوگی
وہ غیر سے باتیں کریں ایسا نہ کریں گے

حور لقا کیوں نہ تمنائے جناں ہو
کیا وہاں تے سے ملنے کا ارادہ نہ کریں گے

آپ پہ غش ہیں تو غش آیا یہ سخن کیا
ہم آپ پہ جاتے ہو ہم آیا نہ کریں گے

ہرگز بھی نہیں خاطر جاناں میں کھٹکا نا
اے شیفتہ ہم دعوئے بیجا نہ کریں گے

ض مجھکو مرض یاس کی شدت ہو جائے
ملک الموت بھی جب بہر عیادت ہو جائے

گریۂ غیر سے وہ بہرِ عیادت ہو جائے
اشک شادی ہی یہ کاش اشکِ ندامت ہو جائے

اپنے ہی عشق کی نسبت سے ہوا شادیٔ مرگ
کیا کروں اُسکو بھی گر تجھ سے محبت ہو جائے

اور گر کچھ نہو دامانِ اجل تو کھینچوں
کاش اتنی ہی مجھے ہجر میں طاقت ہو جائے

نیم جاں ہوں وہاں قتل کا آئے جو خیال
تو یہاں اُس سے کہیں پہلے فراغت ہو جائے

سانس بھی کل تو نہ تھی آج نکلتی ہے آہ
مجھکو ڈر ہے کہیں پھر مجھکو نہ مہلت ہو جائے

ناصحو منع کرو جب تو یقیں میں مانوں
تمکو بھی گر کسی بیدرد سے الفت ہو جائے

پاکے مشرف مجھے مرنے پہ بڑے وعدے ہیں
ہے بڑا لطف اگر اب مجھے صحت ہو جائے

شیفتہ ایسی اُڑا اہلِ کدورت کی خاک
دیکھکر شیشۂ ساعت کو بھی عبرت ہو جائے

ہے ستم واقف ہو میرے حال کی تغیر سے
بوالہوس کہتے ہو پھر اک آہ نے تاثیر سے

عشق میں اک صید افگن کی ہے یہ جوش جنوں
فصد میری کھولنا جرّاح نوکِ تیر سے

چاہیے اغیار کو بھی اپنے مُنہ پر کچھ ملیں
چاہ ثابت ہوتی ہے وہاں رنگ کی تغیر سے

مر رہا ہوں وہ فرقت میں نہیں دیتا کوئی
سچ اگر پوچھو تو سم بھی کم نہیں اکسیر سے

ہاتھ میں دیکھا جو تیرے قبض جاں ہونے لگی
دستِ دشمن کم نہیں کچھ قبضۂ شمشیر سے

عشق کا سودا نہیں جاتا ہے بعد از مرگ بھی
دیکھ لو وحشت ہے ظاہر قیس کی تصویر سے

نسب ہیں وہ بھی پڑھوایا عدو سے خط میرا
تھی جو آگاہی شکایت اُنھیں تحریر سے

یاں میں وہ نے تو شاید کچھ اثر ہوتا اُسے
کیا شب غم میں حصول اہن آہ بے تاثیر سے

تنگ مہانی دشمن بھی کیا ہم نے قبول
شیفتہ لیکن نہ آئے وہ کسی تدبیر سے

کہ اُس کے آگے مری آہ کا سے چلے
جس گل کی شمع بزم سے بچکر صبا سے چلے

بعد ذبح چھوڑ تڑپتا ہوا سے چلے
قربان ایسے آنے کے کیا آنے کیا سے چلے

تری زبان ترے بس میں جب نہو
انصاف کر کہ دل پہ مرا زور کیا سے چلے

ہوں رقیب بھی جلوے سے یار کے
بُجھ جائے شمع بزم میں ایسی ہوا سے چلے

کیا غرور ہے تمکو کہ بزم سے
ہم کتنے جلد اُٹھے پہ اتنا کہا سے چلے

ن وصل ہے کہ اگر پاؤں ٹوٹ جائیں
اُنکی گلی کی سمت مرا نقش پا سے چلے

جلد آؤ گے پر اس کا کیا علاج
پہلو سے اُٹھتے ہی جو مرا جی بُجھا سے چلے

کتا ہی اسمیں ضرر کیا ہے سارباں
دیوانہ ایک رہ میں محمل لگا سے چلے

اُس نے کچھ نہ کہا اُس سے حال دل
ہم قصہ خواں کی طرح فسانہ سُنا سے چلے

جو نزع میں تجھے کچھ رحم آ گیا
گو زہر پینے آئے تجھے شربت پلا سے چلے

عدو کا آپ کی تکرار سے کھلا
ہیں سے یہ پوچھیں کیا تھا کہ کیا آنے کیا سے چلے

یہ غم اگر نہیں کہ نہ آیا وہ بیوفا
روتے مرے جنازہ پہ کیوں اقربا چلے

وہ گل کہیں جو جائے تو کیونکر ملے سراغ
مانند گرد جس کی جلو میں صبا چلے

گرمی کے حذر سے انھیں جانیکا قصد ہی
ای آہ سرد رحم کہ ٹھنڈی ہوا چلے

کیسا ہی غم رسیدہ ہو یہاں آکے شاد ہو
اک ہم تمھارے پاس خوش آے خفا چلے

تھی کب سے مرگ حسرت دیدار میں نزاع
وہ آکے ایک لمحہ میں جھگڑا مٹا چلے

جلدی ہی کیا ٹھکانا بھی پیدا کریں کہیں
آخر تری گلی سے تو اے بیوفا چلے

کیا پیش آے دیکھیے وہاں جاکے دوستو
کہدو کہ پیچھے پیچھے مرے رہنما چلے

ای جان لب پہ آکے ٹھہرنے سے فائدہ
رہنا ہوا تو رہگئے چلنا ہوا تو چلے

کس کس سے آہیں بگڑ گئی کچھ یہ بھی دھیان تھا
باتیں تو آپ شیفتہ ان سے بنا چلے

ظالم کبھی تو داد دل و چشم تر ملے
سینہ سے سینہ اور نظر سے نظر ملے

لے سر نہی مشقت تحریر و صرف زر
رہتے ہی ہیں ہمیشہ ہمیں نامہ بر ملے

ہی دشمنوں سے انکو ملاقات ابروکش
ملتے ہیں ہم سے جیسے کہ خس سے شرر ملے

کیا پوچھتے ہو منت گردن تجھپہ کسقدر
اذن غرور و ناز تمھیں جسقدر ملے

ہم خوب جانتے ہیں تمھارے بگاڑ کو
غیروں سے لڑکے ہم سے بھی تم بیشتر ملے

...ک عشق دیکھ کہ منظور ہی آ دھیں	گلگونہ ہین چکیدہ مژگان تر سے ملے
...فل طرازیوں کے مزے سب دکھاونگا	وہ انقلاب سے کہیں تنہا اگر ملے
...پ ہی انھیں تلاش ہماری تو فائدہ	وہ وقت بھی گیا کہ ہمارا اثر ملے
...ائے تلاش کوچۂ جاناں میں سو فریب	سبزہ جہاں ملا ہیں یہ سمجھا خضر ملے
...الم تبسم نمکیں ہیں نہ کرو دریغ	آخر ذرا تو لذت زخم جگر ملے

وہ شیفتہ کہ دھوم ہی حضرت کے زہد کی
میں کیا کہوں کہ رات مجھے کسکے گھر ملے

...در یوزہ گر آپ ہی الگ رہے ہمسے	برق بھی مانگنے لیجاتی ہی اخگر تمسے
...لح کل اپنی تو والفت میں ہمیشہ ہی	وہ ہوئے صاف تو ہی غیر مکدر تمسے
...صحو ساری نصیحت حسد ورشک سے ہی	ترک ہوتا ہی کوئی عیش مقدر تمسے
...دن غیر پہ چلتے نہیں دیکھا ہرگز	پیار رکھتے ہیں مگر دشنہ و خنجر ہمسے

شیفتہ سادہ بیانی نے ہیں چمکا یا
ورنہ صنعت میں بہت لوگ ہیں بہتر ہمسے

...ں لیا جس سے بیوفائی کی	رسم ہی کیا یہ دلربائی کی
...لہ صلح کا کرو نہ کرو	بات اچھی نہیں لڑائی کی

تمکو اندیشۂ گرفتاری — یہاں توقع نہیں رہائی کی

وصل میں کس طرح ہوں شادی مرگ — مجھکو طاقت نہیں جدائی کی

دل نہ دینے کا ہمکو دعویٰ ہی — کسکو ہی لاف دلربائی کی

ایک دن تیرے گھر میں آنا ہی — بخت وطالع نے گر رسائی کی

دل لگایا تو ناصحوں کو کیا — بات جو اپنے جی میں آئی کی

ق

شیفتہ وہ کہ جس نے ساری عمر — دینداری و پارسائی کی

آخر کار مے پرست ہوا — شان ہے اُس کی کبریائی کی

اپنی شوخی کی بھی خبر کچھ ہی — زلزلہ آسمان پر کچھ ہے

زاریئے شب کے زور تو دیکھے — تجھ میں بھی دم دم سحر کچھ ہے

راز پوشیدہ پوچھئے کس سے — بے خبر ہے جسے خبر کچھ ہے

نالہ سنتے نہیں تو بات سنو — خوب باتوں میں بھی اثر کچھ ہے

عشق کے اب کہاں وہ ہنگامے — دردِ دل سوزشِ جگر کچھ ہے

حُسن کیا عرضِ جلوہ کرتا ہے — شہر میں شور الحذر کچھ ہے

اُس کے نیرنگ سے ٹپکتا ہے — کہ عدم سے بھی بیشتر کچھ ہے

کھوٹی باتیں ہیں اور پہلو دار — ہاں ترے دل میں مہر کچھ ہے

عشق میں ساری خوبیاں ہیں جمع
اک مگر جان کا ضرر کچھ ہے

رم بہت انس کم ہے طینت میں
وہ بہت ہی پری بشر کچھ ہے

دوست یوں ان کو یاد پڑھتے ہیں
کہ میری سمت اُسے نظر کچھ ہے

برق ہے روزگار خندۂ گل
نازِ بے فرصت اس قدر کچھ ہے

شیفتہ بھی ہے مجمع اضداد
کچھ ہنرمند بے ہنر کچھ ہے

ناز کی کیا ہوئی کیوں عشق نہیں کیا صورت ہے
آئینہ دیکھنے سے اُنکے مجھے حیرت ہے

غیر تو طعنہ نہ دے گو کہ مجھے فرقت ہے
کو ہکن کیا کہیں خسرو سے بھی بے غیرت ہے

عشق سے اور بڑھی ہائے قساوت دلمیں
غیر کو رنج ہوا ہے تو ہمیں راحت ہے

کچھ نئی بات نہیں وعدہ تسلی کیا ہو
وہی حرمان ہے یاس ہے حسرت ہے

مجھ سے آزردہ ہو کیوں میں بھی تو کہتا ہوں یہی
تم ملو غیر سے ممکن ہے یہ سب تہمت ہے

گر عیادت کو عدو کو بھی لیے آئیں تو خوب
کہ مرا رشک سے مرنا سبب عبرت ہے

غیر کو یاد رہے تیری محبت ہی نہیں
اور اگر ہے تو تری خو ہی کیوں نفرت ہے

ای عدو کس لیے نازاں ہے سمجھ تو آخر
جس سے ہم خوار ہوئے ہیں وہی عزت ہے

چشم سے اشک رواں لب پہ ہے آہ سوزاں

شیفتہ کس کے لیے آپکی یہ حالت ہی

آؤ مل جاؤ لڑائی ہو چکی — ایک دم صبر آزمائی ہو چکی

ایک حالت پر نہیں رہتا کوئی — اب وفا ہو بیوفائی ہو چکی

ہم سبک ہوتے ہیں اپنے ہاتھ سے — جو ہیں وہ بگڑے لڑائی ہو چکی

ضعف سے ہی آپ ہیں آنا محال — اس کے کوچہ تک رسائی ہو چکی

ایکی جس صورت سے ہو ملجایئے — عذر کہتے ہیں صفائی ہو چکی

شیفتہ یہاں عشق یہ وہاں حسن وہ
دونوں عاجز پارسائی ہو چکی

زہر سے الماس سے تلوار سے — مجھکو الفت ہی انھیں دو چار سے

لیچلیں تھوڑا نمک بھی دشت میں — آبلے پھوٹیں گے آخر خار سے

نعش اٹھانے کا ہی اب ساماں کریں — چارہ گر بیٹھے ہیں یوں ناچار سے

ذکر وصل عذر کر بیٹھے مباد — کیا ملیں ہم محرم اسرار سے

پھر تو قابو میں اجل کے آ چکے — بچ گئے ہم گر غم دلدار سے

کاٹ کر سر خط کی جا بھیجا اسے — کام خامہ کا لیا تلوار سے

جب ہمارا رشک سے جی بھر گیا — بزم خالی ہو گئی اغیار سے

جو گلہ سمجھے تھے نکلا شکر ہائے
کی شکایت ہم نے کس عیار سے

واہ ہم تو دیکھکر مرجائیں اور
زندہ ہوں مردے تری رفتار سے

وہم آسایش سے وحشت ہوگئی
اُس پری کے سایۂ دیوار سے

پھر بلا سے کوئی بیٹھے **شیفتہ**
اُٹھ گئے جب آپ کوئے یار سے

لطف ظاہر ہے مرے آزار سے
آشتی ہے مدعا پیکار سے

فیضیاب نور و آئین بند حسن
مہ اُس کی پرتو رخسار سے

ساقیا بنت العنب وہ لاکھ ہو
دل با[illegible] بازار سے

غیر کو سیدھا بنا یا یار نے
ہے تعجب چرخ کج رفتار سے

جی اُٹھے فرہاد اگر سیس کہے
پھول بھر آئی [illegible]

کیا کہوں جو ہے شناسی یار کی
مجھکو مارا تیغ جوہر دار سے

بلبل شوریدہ بیتاب و مست
اُن کے کوچہ کو چلی گلزار سے

ہمکناری کی ہوس تھی وقت قتل
پھر لپٹ کر رہ گئے تلوار سے

ہائے جوش بیخودی ہائے جنوں
[illegible]

واہ ہوش پاس بدنامی کرے
[illegible]

جلد کھولو **شیفتہ** آغوشِ شوق
یہ صدا آئی لبِ سوفار سے

ترک ہونا یار اور اغیار سے
قطع ہونا ربطِ گل ہے خار سے

کام جوئی اور دعوائے عشق کا
یار ہی یہاں مدعا ہے یار سے

ہے ضرورت غیر کو واقف ہیں آج
آپ ٹھہراتے ہیں کیوں اصرار سے

آہ و زاری سے شکوہِ حسن ہے
جیسے رونق باغ کی اشجار سے

جز دلِ شوریدہ لذت کون اٹھائے
عندلیبِ مست کی گفتار سے

دیکھ لیں گے ہم بھی گر اغیار کو
آپ نے جھانکا سرِ دیوار سے

فصد کے قابل دلِ بیمار ہے
چارہ جو ہے نرگسِ بیمار سے

اپنا ٹوٹا گھر بہت مرغوب ہے
بارگاہِ ثابت و سیّار سے

دیدنی ہے وہ جگہ جو ہے الگ
سات جنگل اور نو بازار سے

شیوہ ہائے برق خالف **شیفتہ**
جلوہ گر ہیں اس کے شوخ اطوار سے

کچھ بات راز کی ہو ذرا پاس آئیے
جی میں ہے آج خوب عدو کو بنائیے

بلبل خزاں میں آتشِ دل یوں بجھائیے
گل کر کے شمع شمع کے قرباں جائیے

رونا ہوا ہی اشکِ ندامت کہ ہنس کے وہ
کہتے ہیں اور بھی کوئی دریا بہائیے

بوسہ ہنسی ہنسی میں جو کل لے لیا تو پھر
کہنے لگے بھلا ہمیں کیا منہ لگائیے

سو بار انجمن سے اٹھاؤ ہم آئیں گے
اب ٹھن گئی کہ ناز تمہارے اٹھائیے

آتا ہی رحم نازکیِ گوشِ یار پر
اے نالے چپ کہ حال دل اسکو سنائیے

تدبیر صلح خوب ہی بن آئی بات تو
جی میں ہی آج غیر سے آنکھیں لڑائیے

گذرا ہیں اعتماد محبت کے فخر سے
مجھکو رقیب سمجھئے پر آپ آئیے

ایک نیم ناز بس ہی ہمارے ہلاک کو
کچھ بھی نہ کیجئے دیکھ کے بس مسکرائیے

دشنام و نغمہ اسمیں ہمیں بحث کچھ نہیں
سنتے ہیں آج آپ ہیں کچھ سنائیے

واعظ کے قول خوب ہیں رندوں کے فعل خوب
وہ اس سے سیکھئے یہ اسکو سکھائیے

بے محو نقش کہنہ کہاں جلوے نقش نو
ہر شوق دل سے نقش تمنا مٹائیے

ہرچند میر کی ہی بہت تربت شیفتہ
پر میکدہ میں بھی کبھی تشریف لائیے

لب میں اگر نہیں تو ہمارے سخن میں ہی
جو خاصیت کہ اس لب اعجاز فن میں ہی

یا مرسل الریاح ادھر کو بھی بھیجئے
وہ بو کہ خوش نصیب نسیم چمن میں ہی

دیتے ہیں چشم روشنی چشم روشنی
آمد نسیم مصر کی بیت الحزن میں ہی

نیرنگِ نو بہار ہے عشوہ طلسم کا
کیا عندلیب دامِ فریبِ چمن میں ہے

پیرانِ کہنہ بن گئے اطفالِ خورد سال
کیفیتِ عجب مرے دیوانہ پن میں ہے

الماس لیکے آئیں گے دیتے ہیں یہ نوید
لذت نئی کچھ آج جو زخمِ کہن میں ہے

وہ آہوئے رمیدہ کہ ہم جس کے صید ہیں
نے وادیٔ تتار نہ دشتِ ختن میں ہے

شیوہ تمام غنچۂ نشگفتہ کا ہنوز
بند قبائے شاہدِ گل پیرہن میں ہے

کیا غیر پر بھی شعلۂ برقِ غضب پڑا
ٹھنڈک سی آج کچھ مرے دل کی جلن میں ہے

کیا کیا پھنسا رہی ہے ہمیں دامِ رشک میں
آشفتگی کہ زلف شکن در شکن میں ہے

شیریں سے بہرہ ور نہوا ایسے شوق پر
کیا سطوتِ رقیبِ دلِ کوہکن میں ہے

خلوت میں شیفتہ سے کوئی ملکے کیا کرے
وہ شخص انجمن میں بھی اور انجمن میں ہے

ہوا نہ مد نظر چشم یار کے بدلے
ہزار رنگ یہاں روزگار کے بدلے

صبا کو بھائے جو محفل کی تیری رنگینی
چمن کو داغ دیئے لالہ زار کے بدلے

کیا ارادہ اگر سیرِ باغ کا تم نے
قیامت آئے گی ابرِ بہار کے بدلے

خلاف عہد ہی شیوہ تو کیا قباحت ہے
ستم کا عہد وفا کی قرار کے بدلے

عجب ہی شہر ہے دلّی بھی شیفتہ ہر گز

میں روم و شام نہ لوں اس دیار کے بدلے

میری خوشی کا اُن کو نہایت خیال ہی
کچھ ان دنوں میں غیر سے شاید ملال ہی

لے کچھ سُنے ہیں رشک سے دل پر ہزار داغ
نام خدا یہ گرمیِ حسن و جمال ہی

نے تاب وصل غیر نہ نیروے منع تیز
تقدیر سے معارضہ کی کیا مجال ہی

قصدِ جواب ہو بھی تو کیا خاک دیں جواب
پیہم نہ متصل یہ ہجوم سوال ہی

کچھ میرے عشق میں تمھیں شک ہو تو سامنے
دیوان خواجہ حافظ فرخندہ فال ہی

ہم نے کیا جہاں سے گذر کر جہاں مقام
وہاں وسعتِ سپہر نہیں پائمال ہی

ہی شانہ کش جو زلفِ پریشاں میں بوالہوس
فکرِ وصال عاشقِ آشفتہ حال ہی

ممکن نہیں کہ برقِ نگہ غیر پر پڑے
جز طور اور پہ ہو تجلی محال ہی

کچھ آج **شیفتہ** ہی بہت مضطرب مگر
جانے کا اس کے غیر کے گھر احتمال ہی

ایام ہجر میں جو اجل کا خیال ہی
بیشک دماغ میں اثرِ اختلال ہے

خوش تھے کہ خونبہا ہے نظر پہ خبر نہ تھی
کیش جفا میں خون ہمارا حلال ہی

اُن کے خلاف وعدے سے ہیں شرمسار ہوں
کیونکر کہوں کہ مجھ سے انھیں انفعال ہی

کیا نسترن ہو تم کہ یہ پیاری شمیم ہی
کیا برگ گل ہو تم کہ یہ زیبا جمال ہی

ساقی کو میکدے میں سرِ ناؤ نوش ہی
صوفی کو خانقہ میں سرِ وجد و حال ہی

عاشق کو اضطراب ہی عجز و نیاز ہے — معشوق کو غرور ہی غنج و دلال ہی

منظور ہی حکیم کو ہر شے کی معرفت — حالانکہ اپنی معرفت اُس کو محال ہی

ہر کام فلسفی کا سفاہت کے ساتھ ہی — ہر بات منطقی کے مراؤ جدال ہی

ارباب حکمت نظری کو عمل نہیں — اہل کلام کو ہوس قیل و قال ہی

جن کو کہ دستگاہ ہی فن نجوم میں — عمر اُنکی صرف زائچہ ماہ و سال ہی

رہتے ہیں بعض درپے اسراف رات دن — بعضوں کو روز و شب سیر توفیر مال ہی

بعضوں کو ہی مذاق میں فخر نسب لذیذ — بعضوں کو ذوق دعوی فضل و کمال ہی

مفلس کو فکر ہی کہ کسی ڈھب سے کچھ ملے — منعم غریق لجۂ بیم زوال ہی

جو ہیں حریص سیر چمن اُن کو بزم میں — ذکر شجر کبھی کبھی فکر نہال ہی

ہی ہر کسی کی خواہش آرایش لباس — دلمیں کسی کے حسرت جاہ و جلال ہی

کوئی طلب میں اشہب گلگوں نظیر کی — کوئی اسیر شوق شکار غزال ہی

کوئی فدائے قامت آفت خرام ہی — کوئی خراب نرگس جادو مثال ہی

ناحق کسیکو شکر کسی کو شکائتیں — بیوجہ کوئی خوش ہی کسیکو ملال ہی

کسواسطے ہم آئے ہیں دنیا میں شیفتہ
اسکا جو دیکھیے تو بہت کم خیال ہی

تری خوبیاں غیر کیا جانتا ہے
تو جیسا ہے بس جی مرا جانتا ہے

ہوا انس کیوں دل کو اول نظر میں
کہ وہ مجھکو نا آشنا جانتا ہے

تظلم سے ہوتی ہے بیداد افزوں
شکایت کو شکر جفا جانتا ہے

گرفتاری غیر کا ذکر مجھسے
مجھے کسقدر مبتلا جانتا ہے

مجھے افعی زلف نے کاٹ کھایا
کوئی شخص اسکی دوا جانتا ہے

وہ گل میرے رونے سے ہوتا ہے خرم
کہ اپنا وہ نشو و نما جانتا ہے

ستمگر کہے سے برا مانتا کیوں
ستم کو اگر وہ بھلا جانتا ہے

کبھی غیر پر جور ہوتے نہ دیکھا
مجھی کو بس اک آزما جانتا ہے

یہ دھوکا نہ کھانا کہ کم عمر ہے وہ
ابھی شیوہ ناز کیا جانتا ہے

تامل نہ کر قتل میں میرے ہرگز
کہ عاشق کا تو خونبہا جانتا ہے

خدمی سے واجب ہوا شیفتہ اب
مجھے یار بھی پارسا جانتا ہے

فقط یار جور و جفا جانتا ہے
یہی جانتا ہے تو کیا جانتا ہے

جو بیگانہ جانے تجھے خلق کیا غم
اگر آشنا آشنا جانتا ہے

نہ ممنون دل طرۂ مشکبو کا
نہ الطاف باد صبا جانتا ہے

ہزاروں گئے جان سے اک ادا میں
عجب شیوهٔ دلربا جانتا ہے

مری چشم پرنم کا حال اُس سے پوچھو
کہ وہ خوب یہ ماجرا جانتا ہے

شکایت ہمیں شکوهٔ شکر سے ہے
کہ اب وہ جفا کو وفا جانتا ہے

اُسے کنج خلوت کی کیا ہی ضرورت
جو محفل کو خلوت سرا جانتا ہے

بہر صورت آئینہ بھی مغتنم ہے
کچھ آئین اہلِ صفا جانتا ہے

عدو کی رعایت سے مجھکو ستانا
وہ انصاف کا مقتضے جانتا ہے

ہمیں شیفتہ کی نصیحت سے حاصل
کہ وہ آپ ہم سے سوا جانتا ہے

دیگر

سمجھ لے اور کوئی دن رقیب خوار مجھے
عزیز رکھتے ہیں اب اُنکے رازدار مجھے

شراب عشق ہی کیا دہشتِ خمار مجھے
جنون شوق ہی کیا حاجتِ بہار مجھے

اگر کہو کہ تو عاشق نہیں میں سچ جانوں
تمہاری بات کا ایسا ہی اعتبار مجھے

حصول نام سے دلکو اگر نہو آرام
بہت عزیز نہیں جانِ بیقرار مجھے

عدو کو رشک ہی ایسا کہ مفت ہیں گویا
ملی ہی جاے نفس برق شعلہ بار مجھے

عجیب عشق میں تہذیب نفس ہوتی ہے
نہ شوق باغ رہا نے سر شکار مجھے

ملا عدو کو مے و نغمہ برق و باراں سے
صبا سے خاک ملی اور گل سے خار مجھے

خلاف وعدہ مسلّم وفا سے وعدہ غلط
غرض کچھ اور نہیں غیر انتظار مجھے

خجل ہوں آپ میں بیوقت اپنے آنے سے
تم اور کرتے ہو ہنس ہنس کے شرمسار مجھے

وہی رقیب سے صحبت وہی قدح خواری
کیا ہے آپ نے ناحق امیدوار مجھے

جفا کو ترک کرو تم وفا کو میں چھوڑوں
کچھ اشتہار نہیں ہو کچھ اشتہار مجھے

رہی سرایر مکتومہ دل ہی میں افسوس
جہان میں نہ ملا کوئی رازدار مجھے

تمام شورش و سرتاقدم شکایت ہوں
نعوذ باللہ اگر وہاں ملے گزار مجھے

ہلاک جلوۂ زیبا خراب بادۂ ناب
تمہارے شیفتہ معلوم ہیں شعار مجھے

دیگر

ابھی کہوں تو کریں لوگ شرمسار مجھے
کہ کس کے وعدے پر اتنا ہے انتظار مجھے

ہزار شکر کہ اس کی گلی میں چھوڑ گئی
نسیم جان کے اک ناتوان غبار مجھے

یہی گمان یہی رشک ہے اگر تو کبھی
نہ کوئی دوست ملیگا نہ کوئی یار مجھے

جفائے شحنہ ہے منظور پر نہیں منظور
خلاف شیوۂ رندان بادہ خوار مجھے

عدو کے حق میں پھر آیا وہی زمانۂ عیش
کھلائے بہمنی سیال غیر تار مجھے

جو بادشاہ بلائے تو میں نہیں جاتا — کہ ان دنوں میں کسیکا ہی انتظار مجھے

جو شورشیں نہ مچاتا اسیر کیوں ہوتا — خراب تو نے کیا جلوۂ بہار مجھے

عدو کے ساتھ بھی آخر جفا ہوئی آغاز — کسی طرح بھی نہ رکھا امیدوار مجھے

رفیق ہیں متردد رقیب ہیں فارغ — عزیز رکھتی ہی وہ چشم فتنہ بار مجھے

قفس میں کرتی ہی تحریک بال جنبانی — نوائے دلکش مرغانِ شاخسار مجھے

لیا ہی تھا نگہ پُر فسوں نے دل لیکن — کیا ادائے تغافل نے ہوشیار مجھے

ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش میں — جسے غرور ہو آئے کرے شکار مجھے

بڑے فساد اُٹھیں شیفتہ خدا نہ کرے — کہ اُنکی بزم میں ہو دخل و اختیار مجھے

سحر گئی جو وہ گلگشت گلستاں کے لیے — صبا تپش میں ہی گلہائے بیخزاں کے لیے

اُنھیں ہی ہم سے محبت عمل کی کیا حاجت — اگر کرو تو کرو اُن کے پاسباں کے لیے

متاعِ بیش بہا شہر عشق میں ہی وفا — یہ آہ و نالہ ہی آرایشِ دکاں کے لیے

وہ اپنے باغ میں ہمکو ضرور رکھے گا — جو بلبلوں کو نہ دے حکم آشیاں کے لیے

مقربانِ ملک کا ہی آسماں پہ دماغ — خزانہ چاہیے قارون کا ارمغاں کے لیے

سحر کے ساتھ ہی آتے ہیں کوئے جاناں میں — عدو ہنسی کے لیے اور ہم فغاں کے لیے

کرم کرم نہ سمجھ گر کسی غرض سے ہو
ستم ستم نہ سمجھ گر ہو امتحاں کے لیے

جو بوستاں میں گیا میں ہلاک قامتِ یار
قیامت آئے گی شمشاد بوستاں کے لیے

ہر ایک سے ہوئی قسمت بقدر استعداد
خرد ہی پیر کے اور زور ہی جواں کے لیے

غرض یہ ہی کہ مگر جائیں گر پڑے حاجت
کہ مُہر نامہ پہ کرتے نہیں نشاں کے لیے

کب آپ آئے کہ طاقت نہیں اشارے کی
کب آپ ئے کہ جنبش نہیں زباں کے لیے

نہ میکدہ میں ترانہ نہ خانقہ میں سماع
دعائے خیر ہی اُس آفتِ جہاں کے لیے

متاعِ دانش و دیں کی ضرور ہی تسلیم
کمال بے ادبی ہو سخن اماں کے لیے

زباں ہی عشق میں ہم خود بھی جانتے ہیں مگر
معاملہ ہی کیا ہو اگر زباں کے لیے

ہمارے ساتھ ہیں وہ موشگافیاں کہ نہ پوچھ
یہ نکتہ بس ہی کہ آفت ہی نکتہ داں کے لیے

اثر اگرچہ بنا بہرِ نازِ دلکش دوست
مگر کچھ اپنی بھی آہِ جگرفشاں کے لیے

یہ ضبط راز کی تعلیم شیفتہ بیجا
زبان ہمکو ملی ہی اگر بیاں کے لیے

دیگر

جو کہیے دوست کو جاؤں تو پاسباں کے لیے
نہیں ہی خواب سے بہتر کچھ امتحاں کے لیے

تمام علتِ درماندگی ہی قلتِ شوق
تپش ہوئی پر پرواز مرغ جاں کے لیے

سنی اکا پر دیواں سے آخر آئیہ یاس
غلط تھی بھلی ہی کوشش خط اماں کے لیے

پری کنار میں رکھے کہ حور زانو پر
ہمارا سر ہی ترے سنگ آستاں کے لیے

نگاہ لطف ترے دل کے واسطے ہی نسیم
نگاہ خشم تری بند ہی زباں کے لیے

شریک بلبل و قمری ہی وہ زبوں فطرت
جو بیقرار رہے سیر گلستاں کے لیے

امید ہی کہ نباہیں گے امتحاں لیکن
جو اسقدر متقاضی ہیں امتحاں کے لیے

نہ خاکیوں سے تعلق نہ قدسیوں سے ربط
نہ ہم زمیں کے لیے ہیں نہ آسماں کے لیے

شب وصال ہی پیغام روز فرقت کا
بہار آتی ہی گلزار میں خزاں کے لیے

پیام دوست ہوا قاصدوں کو وجہ شرف
نسیم مصر سے عزت ہی کارواں کے لیے

قدم کبھی ہمکو نہ رکھنے دیا گلستاں میں
ہزار بار قدم ہم نے باغباں کے لیے

ہزار جادۂ رنگیں ہیں اور ہر جلوہ
سواد بھر لیے چشم خونفشاں کے لیے

قفس زمانہ و جاں مرغ و آشیاں ملکوت
قفس میں مرغ ہی بیتاب آشیاں کے لیے

فسانے اپنی محبت کے سچ ہیں پر کچھ کچھ
بڑھا بھی دیتے ہیں ہم زیب داستاں کے لیے

ہماری نظم میں ہی شیفتہ وہ کیفیت
کہ کچھ رہی نہ حقیقت مئے مغاں کے لیے

افراد

پروانہ وار جلنا دستور ہی ہمارا
اُس شمع رو پہ مرنا مشہور ہی ہمارا

دیگر

آنکھ کل اُس سے لڑاتا تو لڑائی ہوتی
شیفتہ پر ہیں وہ بدلی ہوئی چتون سمجھا

دیگر

غیر پہ پیار کی نظریں ہیں غضب کی ہم پہ
نگہ یار میں ہی رنگ گل رعنا کا

دیگر

اُسکی جب آنکھ پھری پھر گئیں اُسکی آنکھیں
شیفتہ مرنے پہ تیار ہی کیا پھرتا تھا

دیگر

کیا جانے گزری غیر پہ کیا اُس کی بزم میں
آئے وہ اس طرح کہ نقشہ [illegible] گیا

دیگر

ویرانے کی مانند ذرا جی نہیں لگتا
ہر چند کہ ہے شیفتہ دلّی وطن اپنا

دیگر

رقیب پیتے ہیں کس کس مزے سے جام شراب
ہمارے دور میں افسوس احتساب نہیں

دیگر

جوش جنون و پند کی تاثیر دیکھنا
دامن کو ٹانکتا ہوں گریباں کے چاک ہیں

دیگر

ہر شیشے سے ٹپکے ہی ادا ناز تو دیکھو
ہر بات میں اک بات ہی انداز تو دیکھو

دیگر

کرتے ہیں جور و جفا ناز و ادا کہتے ہیں
پھر بھی کیا لوگ ہیں کیا کرتے ہیں کیا کہتے ہیں

دیگر

منت کشِ عتاب پر الطاف شرط ہے | تنہا ستم نہ کیجئے انصاف شرط ہے

دیگر

ایسی غیبت سے کرے قتل گماں کاہے کو تھا | شیفتہ اُس کو تو تم سے محبت نکلی

تمام شد